معتزلہ

اور اُن کے عروج و زوال

کے متعلق

مولنا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کا ایک
بسیط لکچر جو مسلم اکیڈیمی کے اجلاس منعقدہ ۱۹ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء
مین پیش ہوا

اور

خاکسار محمد سراج الحق (حکیم) منیجر و پرنٹر و پبلشر نے

اس کو سنہ ۱۹۲۶ء مین

دلگداز پریس مین چھاپ کر لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان
سے شائع کیا

کارخانہ روض الریاحین لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں)

عطر کے لیے لکھنؤ مشہور ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جو عطر ہے وہ ماہر اور لوگوں کو نہیں ملتا کیونکہ کمیں مال کی روانگی نوکروں کے ہاتھ ہے۔ اور اُن کے دغل اور نقصل کا خمیازہ اُن ہی غریبوں کو اُٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے منگواتے اور بے دیکھے خریدنے پر مجبور ہیں اور بعض اشتہار دینے والوں کی یہ حالت ہے کہ روپیہ کا مال دو کو اور کبھی چار کو بھیج دیتے ہیں یہ تمام خرابیاں دیکھ کے ہم نے ذمہ لیا ہے کہ باہر کے جو صاحب طلب فرمائیں اُن کے لیے معتبر اور مستند کارخانوں کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کر کے مال بخوبی جانچ کے اور کفایت خرید کر کے روانہ کر دیا کریں جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے۔ عطر کے شائق ایک بار امتحاناً منگوا کر دیکھ لیں کہ ہمارے ذریعے سے اُنہیں کیسا اچھا عطر اور کن داموں کو ملتا ہے۔

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر گلاب فی تولہ عہ عہ سے ؏	عطر مشک حنا فی تولہ سے صہ للعہ ۶؍ عیہ	عطر زعفران فی تولہ سے للعہ سے	عطر نسیم فی تولہ سے ۶؍ عیہ
" موتیا " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" شمیم بہار " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	روح گلاب " للعہ، صہ	" شگفتہ " سے ۶؍ عیہ
" حنا " عہ سے صہ للعہ ۶؍ عیہ	" سوہنگی " سے صہ للعہ ۶؍ عیہ	" یاسمین " سے	" شہنا " سے ۶؍ عیہ
" کیوڑہ " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" سہاگ " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" مخلوط عنبری " سے	" ارگجا " سے ۶؍ عیہ
" چمیلی " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" عروس " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" [illegible] " سے ۶؍ عیہ	" مولسری " سے ۶؍ عیہ
" جوہی " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" بیلہ " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" ہار سنگھار " سے ۶؍ عیہ	" خس " سے ۶؍ عیہ
" موگرہ " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" پانڑی " سے ۶؍ عیہ	" گل مٹی " سے ۶؍ عیہ	" چمپا " للعہ سے ۶؍ عیہ
" عنبر " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" [illegible] " ۶؍ عیہ	" گیندا " سے ۶؍ عیہ	" گل حنا " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ
" مشک عنبر " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" مدن بان " صہ للعہ سے ۶؍ عیہ	" پودینہ " عیہ	" شمامۃ العنبر " سے
" باگیسر " عہ، صہ	" اگر فرتی " للعہ، سے	روح خس " سے صہ، للعہ	" اگر گل نوایجاد " سے

خوشبودار تیلوں کی فہرست ملاحظہ ہو

روغن چمیلی فی سیر عہ سے	روغن بیلہ فی سیر عہ سے	روغن کیوڑہ فی سیر عہ عہ	روغن حنا فی سیر عہ سے
عیہ، للعہ، عہ	صہ، للعہ، عہ	سے، عیہ، للعہ، عہ	عیہ، للعہ، عہ

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ بامزہ تمباکو

زردہ تمباکو مشکی فی سیر عہ، عہ	قوام مشکی فی تولہ عہ، ۱۰	گولیاں مشکی طلائی فی تولہ عہ
سے، صہ، للعہ، زعفرانی ۶؍	۶، ۴، زعفرانی ۲	نقرئی ۱۰، ۶؍۸، بلا ورق عہ

نوٹ۔ درخواست آتے ہی ویلیو پے ایبل روانہ ہو گا باردانہ و مصارف ڈاک ذمہ خریدار

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

مُعتزلہ

اور اُن کا عروج و زوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیت اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے واضح دلیل
یہ ہے کہ وہ ایک سیدھا سادہ مطابق فطرت دین ہے۔ اُس نے
اپنی ابتدائی تبلیغ مین بجاے دقیق موشگافیون کے جو فلسفیون کو
بہکا کے حق اور فطرۃ اللہ سے ہٹاتی رہتی ہین دنیا کو ایسا
عملی دین بتایا جو تمدن انسانی اور فطرت دنیوی کے لیے تمام قوانین
شرائع سے زیادہ مناسب تھا۔ اور اُس نے فلسفیون کے جنون زا
خیالات و شبہات کو الگ پھینک کر ایسے دینی و دنیوی اعتدال کا
راستہ بتایا جو نوع انسانی کے لیے ہر زمانے مین بہمہ وجوہ بہتر اور
افضل ترین کہا جا سکتا ہے۔

ایک طرف جملہ مذاہب عالم کے دیندار و پرہیزگار تارک
الدنیا راہب بن گئے تھے۔ اور دنیات اس قدر بےتعلق ہو گئے
تھے کہ اُن سے دین و دنیا کو بجاے فائدے کے ضرر پہونچ رہا
تھا۔ وہ گویا دنیا مین آئے ہی نہ تھے اور دنیا والون سے اُنھین
کوئی سروکار نہ تھا۔ دوسری طرف دنیادار لوگ خدا اور اُس کی عبادت

سے اس قدر دور پڑ گئے تھے کہ گویا انھین خدا اور اس کی شریعت سے
کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ اس لیے اعتدالی تو اسلام نے سکھایا۔ دنیا دارون
سے کہا دنیا میں آنے کا مقصد یہی ہے کہ اپنی نجات اور خدا پرستی کی دھن
مین دنیا والون کی فلاح اور عالم کی اصلاح کو بھول جاؤ۔ اور دنیا دارون
کو بتایا کہ دنیا کی ہوس اور عیش پرستی مین اتنے غافل نہ ہو کہ خدا بھی یاد نہ
رہے۔ چنانچہ تمام دنیوی لذتین ایک ٹھیک اور سچے اعتدال کے ساتھ جائز بتا دی
گئین راہب اور مقتدایان امم سالفہ جتنے دور دراز انحراف مین [illegible]
صرف کر رہے تھے انھین بتایا گیا کہ اتنا محدود وقت خدا پرستی مین صرف
کرکے دنیا کو اعتدال سے برتو تو تمھارا ہر دنیوی کام بھی موجب ثواب اور
عبادت کے حکم مین ہوگا۔ دنیا پرستون سے کہا کہ تم مشاغل دنیوی کو چھوڑ
کے اتنا وقت عبادت الٰہی مین صرف کرو تو تمھارے دنیوی کام بھی دین کے
کام بن جائین گے۔ اس طرح عابد و دنیا پرست اور مقتدا و مقتدی دونون
ایک درجے پر آکر ایک رنگ کے ہو جائین گے۔

صحابہ کے عہد اور خیر القرون کے بابرکت زمانے تک یہ یکسانی
قائم رہی۔ سیدھے سادے عقائد رہے۔ خلوص و بے ریائی کی عبادت
رہی۔ اور مسلمانون کی دینی و دنیوی ترقی کی کوئی حد و نہایت نہ تھی۔
اصول و اعتقادی مسائل مین کبھی کوئی شخص عقلی شک و شبہ
ظاہر بھی کرتا تو قرآن و حدیث کے احکام و نصوص بتا کے خاموش کر دیا
جاتا تھا۔ نہ کسی کا عقیدہ بدلتا۔ اور نہ کسی کے زہد و تقوی مین فرق آتا۔

مگر تعلیمات سوت کا اثر جس قدر کم ور ہوتا گیا اُسی قدر وسوسہ ہائے شیطانی یے قیل وقال اور چون وچرا کے شبہے پیدا کر نا شروع کر دئیے

پیرودین علمائے سلف نے خوب کہا ہے کہ حکم الٰہی یا نص کے مقابلے میں سب سے پہلے جس نے برسائے قیاس چون وچرا کا شبہ پیش کیا وہ شیطان ہوا خدا نے حکم دیا کہ آدم کا سجدہ کر اور اُس نے یہ قیاسی حجت پیش کی کہ کیون کروں حبکہ میں آدم سے اصل ہوں مین آتشیں ہوں اور آدم دلیل خاکی پتلا مین تو تیرے سوا کسی کے آگے سجدہ نہ کروں گا یہ نص صریح کے آگے پہلی فلسفیانہ قیاسی مخالفت تھی۔

لعینہ اسی طرح پہلی صدی اسلامی کے ختم ہونے سے پیشتر ہی عقائد اسلامیۂ منصوصہ کے مقابل عقلی گدّے لگائے اور قیاسی شبہے پیش کیے جانے لگے۔

چنانچہ صحابہ کے زمانے ہی میں معبد جُہنی غیلان دمشقی اور یونس اسواری نے قدریہ کے عقائد کا اظہار کیا اور بُرائی بھلائی کے مقدر ہونے پر اعتراض کرنے لگے کہ جب خدا نے بندوں کے افعال اپنے اختیاری رکھے ہیں تو پھر ثواب وعذاب کی کیا وجہ ہے مگر اُس وقت اُن کے یہ شبہات اُٹھیں پر ختم ہو گئے اور فتنہ بڑھنے نہ پایا۔

اب وہ زمانہ آیا کہ حضرت حسن بصری جامع بصرہ میں حدیث کا درس دے رہے تھے اُن کی ولادت سنہ ۲۱ھ میں ہوئی تھی اور سنہ ۱۱۰ھ میں سفر آخرت فرمایا وہ ایک دن بصرے کی جامع مسجد

میں طلبہ کے حلقہ میں بیٹھے درس حدیث دے رہے تھے کہ شاگردوں
میں سے واصل بن عطاء نامی ایک شخص نے اٹھ کے سوال کیا۔
کہ امام زمانہ اِن دنوں عجیب خیالات کے مختلف گروہ پیدا ہو گئے
ہیں ایک وہ جو اُن لوگوں کو کافر بتاتا ہے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں
اور دوسرا گروہ جس کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہوں سے دین میں مطلق
خلل نہیں پڑتا اس لئے کہ اُن کے اعتقاد میں عمل کو دین و ایمان میں کوئی
تعلق نہیں پہلا اعتقاد خوارج کا ہے اور دوسرا مرجیہ کا۔ آپ اس بارے
میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضرت حسن سر جھکا کے غور فرمانے لگے لیکن
قبل اس کے کہ آپ جواب دیں واصل خود ہی بول اُٹھا اور میں تو یہ
کہتا ہوں کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن مطلق ہے اور نہ کافر مطلق بلکہ کفر و ایمان
کے درمیان اُس کا ایک علیحدہ درجہ ہے۔ نہ وہ کافر ہے نہ مومن ہے۔
یہ کہتے ہی وہ حضرت حسن کے حلقۂ درس سے اُٹھ کر مسجد کے ایک دوسرے
ستون کے پاس جا بیٹھا اپنے اس نئے خیال کی تبلیغ کرنے لگا اور اپنا ایک
نیا حلقۂ تعلیم جاری کر دیا۔ حضرت حسن نے اُس کی یہ سرتابی دیکھی تو فرمایا۔
اعتزل عنا، یعنی ہم سے الگ ہو گیا اور اُسی وقت سے اُس کے گروہ کا
نام حضرت حسن کے اِن الفاظ کی بنیاد پر معتزلہ پڑ گیا۔ اس کے بعد واصل
نے اپنے اور اعتقادات ظاہر کرنا شروع کیے جو در اصل عقل و قیاس
پر مبنی تھے۔

بعد ازاں حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید

دین مین عقلی جوابات دینا شروع کیے۔ اِس سے اُن بزرگون کے ذاتی اعتقادات پر اگرچہ کوئی اثر نہین پڑا تھا مگر بحث کا انداز ایسا تھا کہ اُنھین معتزلہ ہی کی وضع کی باتین کرتے دیکھ کر مستند ائمہ محدثین اُن پر بھی بدگمانیان کرنے لگے۔

اِن دنون ایک طرف تو اکابر محدثین معتزلہ سے اس درجہ بدگمان تھے کہ حمایت دین اور اُن کے مسلک حق کے ثبوت مین بھی اگر کوئی عالم فلسفیون کی طرح عقلی دلیلین پیش کرتا تو وہ اُس کو بُرا سمجھنے لگتے۔ دوسری طرف معتزلہ کی یہ حالت تھی کہ پیروان کتاب و سنت کو احمق اور جاہل سمجھتے اور جب اُن کو اپنے منقولی مذہب سے کسی طرح ہٹتے نہ دیکھا۔ تو انھین کافر و بے دین بلکہ مشرک کہنے لگے اور ہم مذہب خلفا کی مدد سے اُن پر جور و تشدد شروع کر دیا۔ چنانچہ معتزلی العقیدہ خلفاے بنی عباس نے علماے حدیث و فقہ پر بیحد مظالم کیے۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ اہل سنت کو نہ بھاگنے کا راستہ ملتا تھا اور نہ کوئی پناہ کی جگہ نظر آتی۔

اب ہم مختصر طور پر یہ بتانا چاہتے ہین کہ معتزلہ کے اصلی عقائد کیا تھے۔ اور فلسفہ کی آمیزش نے انھین کس طرح ہٹا کے قرآن کے دامن سے ہٹا کر اُس پہاڑی کے پاس پہونچا دیا تھا جس پر یونانیون کے دیوتا اپالو کا مندر رہا ہوا تھا۔

اِن لوگون کے زیادہ تر مباحث اصولی مسائل سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ متکلمین کی مراد اصولی

مسائل سے کیا ہے۔ دین مین دو باتین ہین۔ اول معرفت باری تعالیٰ۔ دوسری اُس کی عبادت۔ یہ ظاہر ہے کہ معرفت اصل ہے اور عبادت فرع۔ لہٰذا جو مسائل معرفت، توحید کے متعلق ہون وہ اصولی ہین اور جو مسائل عبادت و شریعت سے علاقہ رکھین وہ فرعی۔ اسی بنا پر علم کلام کا موضوع اصول ہین۔ اور علم فقہ کا موضوع فروع اسی تقسیم کی بنا پر معتزلہ اور اُن کے علم کلام کے مسائل توحید۔ عدل۔ وعدہ وعید۔ اور سمع و عقل قرار پا گئے۔

وضاحت کے لیے مین مذکورہ مسائل اصول کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہون۔

اول توحید۔ اس کی نسبت اہل سنت اور دیگر تمام لوگ جو صفات باری تعالیٰ پر عقیدہ رکھتے ہین سب کا یہ مسلک ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی ذات مین واحد ہے۔ اُس کا کوئی قسیم یعنی برابر والا نہین۔ وہ اپنے جملہ صفات الٰہیہ مین اکیلا ہے۔ یعنی کوئی اس کا نظیر نہین اور اپنے جملہ افعال مین بھی اکیلا ہے یعنی کوئی اس کا شریک نہین۔ اس کے خلاف معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ باری تعالیٰ اپنی ذات مین اس طرح واحد ہے کہ نہ اُس کی تقسیم ہو سکتی ہے اور نہ اُس مین کوئی صفت ہے۔ اور اپنے افعال مین یون واحد ہے کہ اُس کا کوئی شریک نہین۔ لہٰذا نہ اُس کی ذات کے سوا کوئی قدیم ہے۔ اور نہ اُس کے افعال مین کوئی اور حصہ دار ہے۔ دو قدیمون کا ہونا محال ہے۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس دو قادرون

کے درمیان ایک مقدور کا ہونا بھی غیر ممکن ہے۔ یعنی کوئی مخلوق نہین ہوسکتا جس پر دو قادرون کی حکومت ہو۔ یہ معتزلہ کے خیال کی فلسفیانہ توحید ہے۔

دوسرے عدل۔ عدل کے بارے مین اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ خداے تعالٰی کے اپنے افعال مین عادل ہونے کے یہ معنی ہین کہ وہ جل شانہ اپنے ملک اور اپنے مملوکون مین جیسا تصرف چاہتا ہے کرتا ہے۔ لہذا اُس کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مخلوق مین اپنی مشیّت کے مطابق جیسا تصرف چاہے کرے۔ اور جو اس کے ضد ہو اُس کا نام اہل سنت کی اصطلاح مین ظلم ہے۔ لہذا اُس کے حکم مین کسی طرح کے جور اور اُس کے تصرف مین کسی قسم کے ظلم کا ہونا محال ہے۔ اس کے خلاف معتزلہ کہتے ہین عدل یہ ہے کہ باری تعالٰی کا ہر کام اور ہر تصرف ہماری حکمت اور ہماری عقل کے تقاضے کے مطابق ہو۔ یعنی اُس کے ہر فعل کا از روے عقل انسانی بہترین صورت پر ہونا لازم ہے۔

تیسرے وعد و وعید یعنی اُس کا وعدۂ ثواب کرنا۔ اور عذاب کا خوف دلانا۔ اس مین یہ اختلاف ہے کہ اہل سنت کے نزدیک وعد و وعید خداے تعالٰی کا کلام ازلی ہے۔ اُس نے جو احکام نافذ فرمائے اُن پر عمل کرنے کی صورت مین وعدۂ ثواب کیا۔ اور جو ممنوعات بتائے اُن کے ارتکاب پر عذاب کی دھمکی دی۔ لہذا جو نجات پائے وہ اُس وعدے کے مطابق مستحق ثواب ہوا۔ اور جو گنہگار ہو وہ اُس کے مطابق

مستوجب عقاب ہوا۔ تقاضاے حکمت اور فیصلۂ عقل کی وجہ سے کوئی چیز اُس جل جلالہ پر واجب نہیں ہے۔ برخلاف اس کے معتزلہ کہتے ہین کہ کلام باری ازل مین تھا ہی نہین۔ اور اُس نے جو حکم فرمائے یا جن باتون سے منع کیا یا کوئی وعدہ کیا یا کسی عذاب سے ڈرایا سب اپنے کلام حادث سے کیا لہذا جس کی نجات ہوئی اپنے افعال سے ہوئی۔ اور مستحق ثواب ہو گیا۔ اور جو مبتلاے عذاب ہوا خود اپنے افعال کی پاداش مین پکڑ آگیا۔ اور از روے اصول حکمت عقل اسی کی متقاضی تھی۔

چوتھے سمع و عقل سمع سے مراد قرآن و حدیث ہین جو بذریعۂ سماعت سنے گئے اور عقل سے مراد تقاضاے عقل ہے۔ اس مسئلہ مین اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ بندہ جتنے فرائض اور واجبات امور کا مکلّف ہے سب سمع سے یعنی قرآن و حدیث سے ہین معرفتین عقل سے حاصل ہوتی ہین۔ لہذا عقل نہ کسی چیز کو اچھا کرتی ہے نہ کسی چیز کو بُرا۔ نہ وہ کسی بات کی مقتضی ہوتی ہے۔ اور نہ کسی کام کو واجب کرتی ہے۔ اور سمع سے اگرچہ معرفت نہین حاصل ہوتی۔ مگر احکام کو واجب وہی کرتی ہے اس کے خلاف معتزلہ کے نزدیک عقل سمع پر قاضی اور حاکم ہے۔

انھین مسائل کی بنا پر معتزلہ اپنے آپ کو سب سے بڑا موحّد بتاتے اور اپنا لقب ”اصحاب عدل و توحید“ قرار دیا تھا۔

اُن کے عام **اعتقادات** یہ تھے کہ اللہ جل شانہٗ قدیم ہے اور قدیم ہونا اُس کی خاص ترین صفت ذات ہے۔ صفات باری کے قدیم ہونے سے اُن کو کُلیتہً انکار تھا اور اُس جل شانہ کے عالم قادر اور حی (زندہ) ہونے کے بارے مین وہ یہ تقریر کرتے کہ وہ عالم علم سے اور قادر قدرت سے اور حی حیات سے نہین بلکہ اپنی ذات سے عالم، قادر و حی ہے۔ یہ تینون قدیم صفات ایک قسم کے معانی ہین جو اُس کی ذات قدیم مین قائم ہین۔ کیونکہ اگر صفات علم و قدرت و حیات اس کی ذات مین شریک ہو جائین گے تو تعدد ذات لازم آئے گا اور یہ شرک ہے۔

اس مسئلہ مین بھی اُن کے سب گروہون کو اتفاق تھا کہ باری تعالیٰ کا کلام حادث اور ایک خاص محل مین مخلوق ہے جس سے عبارت صرف آواز ہے۔ قرآنون کے نسخون مین جو کلام موجود ہے وہ اس کلام مذکورہ کی نقل ہے۔ اُن کے اس خاص مسئلہ نے دوسری اور تیسری صدی ہجری مین اہل سنت کے محدثین اور فقہاے سلف مین قیامت بپا کر دی تھی۔ اور بڑے بڑے علما کلام الٰہی کے قدیم کہنے کے جرم پر اسیر و پابزنجیر کیے گئے۔ اور بہت سے قتل ہو گئے۔

اس مسئلہ مین بھی سب معتزلہ متفق ہین کہ اس کے ارادے سننے۔ اور دیکھنے کی صفتین جو قرآن و حدیث مین متواتر خدا کی جانب منسوب کی گئی ہین وہ ایسے معانی بھی نہین ہو سکتین جو اُس جل شانہ کی ذات مین قائم ہون۔ مگر اس مین اُن کے درمیان اختلاف پڑا

ہوا ہے کہ ان صفتوں کا وجود کیونکر ہے؟ اور اگر وہ معانی ہین تو اُن کا محل کون ہے؟

عالم آخرت مین رویت باری تعالی کے انکار مین بھی سب کو اتفاق ہے۔ اسی طرح اُن تمام صفات سے بھی قطعاً انکار کرتے ہین جن سے عقلاً خدا کا کسی جہت یا مکان مین ہونا یا جسمانی ہونا یا متحیز ہونا یا اُس کا نقل و حرکت کرنا ظاہر ہو۔ اور جن آیات قرآنی مین ان کا ذکر آگیا ہے اُن کو متشابہ کہتے اور اُن مین تاویل کرنا واجب جانتے ہین۔ اور اسی اعتقاد کو وہ اپنے نزدیک اصلی توحید تصور کرتے ہین۔

اس عقیدے مین بھی تمام معتزلہ کو اتفاق ہے کہ بندہ اپنے کامون پر قادر اور اپنے بُرے بھلے تمام افعال کا خود ہی خالق ہے۔ چنانچہ انھین افعال کی بنا پر مستوجب سزا و جزا ہو گا۔ حضرت عزاسمہٗ کی ذات اس سے مبرا و منزہ ہے کہ اُس کی جانب بُرائی ظلم۔ جور اور افعال کفر و معصیت کو منسوب کیا جاے۔ اس لیے کہ وہ ظلم کو پیدا کرے تو ظالم قرار پائے گا جیسے کہ عدل کے پیدا کرنے سے وہ عادل ہے۔

یہ بھی اُن کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ جل شانہ صرف بھلائی اور نیکی کرتا ہے۔ از روے حکمت بندون کے مصالح کا لحاظ رکھنا اُس پر واجب ہے۔ اگرچہ اس بارے مین وہ باہم مختلف ہین کہ آیا اُس پر یہ بھی واجب ہے کہ وہی کام کرے جو سب سے اچھا ہو۔ اور بندون کے حال پر لطف کرے۔ اسی چیز کا نام اُنھون نے اپنی اصطلاح

مین عدل رکھا ہے۔

اس مسئلہ مین بھی سارے معتزلہ متحد الخیال ہین کہ مومن اگر اطاعت و توحید کے ساتھ دنیا سے جائے تو مستحق ثواب ہوگا۔ اور خدا کی جانب سے اجر یا فضل ہونا جداگانہ معانی سے عبارت ہے۔ اور یہ چیزین ثواب کے علاوہ ہین۔ لیکن اگر انسان گناہ کبیرہ مین مبتلا ہونے کے بعد بغیر توبہ کیے دنیا سے جائے تو وہ ہمیشہ مبتلائے عذاب رہے گا۔ ہان اُس کا عذاب کفار کے عذاب سے خفیف البتہ رہے گا۔ اور اسی چیز کو وہ لوگ اپنی اصطلاح مین وعد و وعید کہتے ہین۔

[illegible] مسئلہ مین بھی سارے معتزلہ کا اتفاق ہے کہ حس[illegible] معرفت اور شکر نعمت سمع یعنی نص شرع کے وارد ہونے سے پہلے [illegible] ان پر واجب تھے۔ پھر اس کے ساتھ کہتے ہین کہ اچھے اور [illegible] معرفت عقل سے ہوتی ہے۔ یعنی اچھا کام کرنا اور بُر[illegible] بچنا انسان پر از روے عقل واجب ہے تکالیف [illegible] خدا کی مہربانیان ہین جن کو اُس نے انبیا کے ذری[illegible] بندون کو اختیار دے کر آزمایش مین ڈالا تاکہ جو [illegible] ہلاک ہو اور جو جیے دلیل سے جیے۔

[illegible] عقائد کی بنا پر انھین [illegible] قدریہ [illegible] اصطلاح معنے یہ ہین کہ وہ بندون کے اپنے [illegible] فاعل مختار ہونے کے قائل ہین لیکن [illegible] عقیدے کی مذمت [illegible] گئی

صریح اور صحیح حدیثین وارد ہین جن کی صحت مین معتزلہ کو بھی شک نہین۔ ایک حدیث یہ ہے کہ "القدریۃ مجوس ہذہ الامۃ" یعنی قدر کا عقیدہ رکھنے والے اس امت یعنی امت محمدی کے مجوسی ہین

دوسری یہ کہ "القدریۃ خصماء اللہ فی القدر" یعنی قدریہ لوگ مسئلہ قدر مین خدا کے دشمن ہین۔ ان حدیثون کی زد سے بچنے کے لیے معتزلہ نے لفظ قدر کے معنی بدل کے بہت عام کر دیے اور کہنے لگے قدر اس عقیدے کا نام ہے کہ کہا جائے خیر و شر دونون خدا نے مقدر کر دیے ہین۔ مگر قدر کے جو معنی ہم نے پہلے بتائے وہ عہد رسالت سے چلے آتے تھے۔ اور کبھی پیغمبر یہ معنی نہین سمجھے گئے جو لغت مین تصرف کرکے معتزلہ نے بتائے ہین

امامت کے مسئلہ مین معتزلہ مین بڑا اختلاف ہے بعض شیعون کے عقائد کیطرف مائل ہو گئے ہین اور بعض اہل سنت کے ہم خیال ہین۔

یہ وہ مسائل تھے جن مین تمام ائمۂ معتزلہ کو اتفاق ہے۔ مگر کتب فلسفہ کے مطالعے سے اُن پر یونان کے فلاسفۂ الٰہیین اور طبعیین دونون کے خیالات کا روز بروز زیادہ اثر پڑتا گیا۔ اور ہر روز اُن کی ایک نئی شان نظر آئی۔ چنانچہ اُن کے مختلف فاضلون نے اپنے مجتہدانہ اقدام اور فلسفیانہ اسلوب سے ہر روز ایک نئی صورت دکھائی اور اُن کے بہت سے فرقے ہو گئے جن مین سے بارہ کا شہرستانی نے خاص طور پر

[illegible] حسب ذیل ہین واصلیہ۔ ہذیلیہ۔ نظامیہ۔ حائطیہ۔ بشریہ۔
معمریہ۔ مزداریہ۔ ثمامیہ۔ ہشامیہ۔ جاحظیہ۔ خیاطیہ۔ جبائیہ۔

مسلمانون کی واقفیت اور مذکورہ فرق معتزلہ کی حکیمانہ جہالت کی دکھانے کے لیے مین مختصر طور پر اُن سب کے خیالات وعقائد کا بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہون۔ اور بغیر اس کے آپ کو اُس عہد کے خطرناک ترین فتنے کا صحیح اندازہ نہین ہو سکیگا۔

واصلیہ یہ فرقہ اُسی واصل بن عطا غزال کا پیرو ہے جس نے حضرت حسن بصری کے حلقہ درس سے جُدا ہوکر اپنی نئی مسجد بنائی۔ اور جس کی اس حرکت سے معتزلہ کو "اعتزال" کا خطاب ملا۔ یہ شخص عبد الملک بن مروان کے عہد سے ہشام بن عبد الملک کے عہد تک تھا اس کے پیرو سرزمین اندلس تک جا پہونچے تھے۔ اور "واصلیہ" کہلاتے تھے۔ ان کے عقائد کو چار بحثون سے تعلق ہے جن کو وہ قاعدے کہتے ہین۔

پہلا قاعدہ یہ تھا کہ ان لوگون کو خدا کے صفات علم۔ قدرت ارادے۔ اور حیات سے انکار تھا۔ اس عقیدے کی بنیاد واصل نے اس ظاہری مسلم الثبوت مسئلہ پر رکھی جس کے ماننے مین کسی کو شک نہین کہ "دو قدیم ازلی خداون کا وجود محال ہے" خیال کیا کرتا جس کسی نے کسی معنے یا صفت کو قدیم بتایا اُس نے گویا دو خداون کے موجود ہونے کا دعوی کیا"

اُس کے پیروون نے اُس مسئلہ پر بعد فلاسفۂ یونان کی کتابون

کا مطالعہ کیا اور بڑھتے بڑھتے اِس حد کو پہونچے کہ خدا کے جملہ صفات
کے منکر ہوگئے۔ سب صفتون کو اُس کے عالم و دانا ہونے کی دو صفتون
مین سمیٹ لائے۔ اور حکم لگایا کہ یہ اُسکی ذاتی صفتین ہین ہوتے ہوتے جبائی
نے کہہ دیا کہ "یہ دونون اُسکی ذات کے دو اعتبارات ہین" بقول ایک
دوسرے مجتہد فی الاعتزال ابو ہاشم کے "وہ حالین ہین" اِ عین متکلمین
معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ حسن بصری بھی اِس جانب مائل ہوگئے تھے کہ انھون
نے باری تعالیٰ کے جملہ صفات کو اکیلی ایک صفت عالمیت مین داخل
گر مجھے اس کا یقین نہین۔ اس لیے کہ تمام ائمۂ محدثین سلف اس خیال سے
کلیتہً خلاف تھے۔ اور کیون نہ خلاف ہوتے جبکہ کتاب و سنت مین اللہ
جل شانہ کے بہت سے صفات کو صاف اور صریح الفاظ مین مذکور
پاتے تھے۔

دوسرا قاعدہ۔ عقیدۂ قدر کے متعلق تھا اس مین واصل
بن عطا نے اُس مبتدع مسلک کو اختیار کرلیا تھا جس کا فتنہ معبد جہنی
اور غیلان دمشقی سے ظاہر ہونے کے بعد اب دب چکا تھا۔ اس مسلہ
مین واصل کو پہلے قاعدے سے زیادہ انہماک تھا۔ اور اُس کی
تقریر اس مسئلہ مین یہ تھی کہ "باری تعالیٰ حکیم و عادل ہے لہذا اُسکی
جانب ظلم و شر کو منسوب کرنا جائز نہین۔ اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ
بندون کو جو حکم دے اُس کا ارادہ اُس کے خلاف ہو۔ خود ہی ایک
بات کا حکم دے اور پھر اُسی کی بنا پر عذاب کرے۔ اس لیے ضرور ہے

خود بندہ فاعل خیر و شر ہو۔ اور خود اپنے اختیار سے ایمان و کفر کو اختیار کرے۔ یا عبادت و معصیت کرے۔ اس صورت مین بندے کو خود اپنے افعال کا بدلہ ملے گا۔ پروردگار جل شانہٗ نے اُس کو اُن افعال کی قدرت دی ہے۔ غرض بندے اپنے افعال حرکات سکنات۔ اعتقادات افکار اور علوم مین پورے مختار ہین"۔ اُس کا یہ بھی مقولہ تھا۔ محال ہے کہ بندے کو ایک حکم ہو اور اُس پر عمل کرنا اُس کے امکان سے باہر ہو۔ وہ بالطبع اپنے لیے قدرت اور عمل چاہتا ہے۔ اور اُس کی اس فطرت سے انکار کرنا بداہت کا انکار ہونا ہے"۔ مگر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا اقتدارات کے ساتھ واصل نے بلا مین پڑنے۔ عافیت۔ شدت۔ راحت۔ مرض شفا۔ حیات زندگی اور موت کو بھی اقتدارات انسانی کے ضمن مین رکھا ہے۔

تیسرا قاعدہ "منزلت بین منزلتین"، کا مسئلہ جس کی وجہ مین وہ اپنے اُستاد سے جُدا ہوا تھا۔ اس مین اُس کا اعتقاد یہ تھا کہ کافر و مومن کے درمیان ایک تیسرا درجہ فاسق کا ہے۔ جو خیال ظاہری نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ اُس کا یہ بھی بیان تھا کہ آخرت مین صرف دو گروہ ہون گے۔ ایک جنت والون کا اور دوسرا دوزخ والون کا۔ فاسق وہان دونون سے جدا ہوگا۔ اُس پر عذاب مین تخفیف ہوگی۔ اور اُس کا مقام کافرون

سے بالاتر ہوگا۔

ہذلیہ ابو ہذیل حمدان بن ابی الہذیل علاف کے پیرو۔
یہ معتزلہ کا بہت بڑا امام تھا اور ان کی طرف سے مناظرہ کیا کرتا
واصل بن عطا کے شاگرد خالد طویل کا شاگرد تھا اور دس
مسئلون مین اُس نے عام معتزلہ لوگون سے اختلاف کیا۔

پہلا اللہ تعالیٰ عالم ہے علم سے اور اُس کے علم سے مراد
خود اُس کی ذات پاک ہے۔ اسی طرح وہ قادر ہے قدرت سے اور
حی ہے حیات سے۔ اور یہ سب صفات اُس کے عین ذات ہین۔
جن لوگون کو فلاسفۂ یونان کے خیالات معلوم ہین وہ بخوبی سمجھ
سکتے ہین کہ یہ باتین اُنھین سے لی ہوئی ہین۔ یونان کے حکیمون کا
اعتقاد تھا کہ باری تعالیٰ واحد ہے جس مین کسی قسم کی کثرت نہین
اور صفات ذاتِ باری سے الگ کوئی معانی قائم بالذات نہین
بلکہ اُس کے عین ذات ہین۔ جو لوگ خدا سے تعالیٰ کو علم سے نہین
بلکہ خود اپنی ذات سے عالم بتاتے ہین اور وہ لوگ جو اُس
وحدہٗ لاشریک کو علم کے ذریعہ سے عالم بتاتے مگر اُس علم
کو عین ذات کہتے ہین دونون مین فرق یہ ہے کہ پہلے نفی صفت
کرتے اور ذات باری کو بے صفات ثابت کرتے ہین اور دوسرے
صفت کو مانتے ہین مگر اُسے عین ذات باری کہتے ہین۔ ابوالہذیل
اپنے خیال کے مطابق اگر ذات باری تعالیٰ مین صفات وجہات

کو ثابت کر سکے تو یہ بعینہ نصاریٰ کا مسئلہ "اقانیم ثلثہ" ہو گا۔

دوسرا اُس نے اپنے ارادوں کے موجود ہونے کا دعوی کیا جو کسی محل مین نہ ہون اور اُنھین ارادون کا مرید یعنی ارادہ کرنے والا خداے جل جلالہٗ کو بتایا۔ مگر متاخرین معتزلہ اس مسئلہ مین اُس کے خلاف ہین۔

تیسرا باری تعالیٰ کے کلام کے بارے مین اُس نے دعوی کیا کہ اُس مین سے بعض ایسے ہین جو کسی محل مین نہین قائم ہین۔ جیسے کہ اُس کا قول "کُن" جو کسی محل مین نہ تھا۔ اور بعض محلون مین ہین جیسے اوامر نواہی۔ اور اخبار۔ اس مسئلہ مین اُس نے یہ تفریق کی ہے کہ تکوین یعنی پیدا کرنے کا حکم دینا اور "کن" کہنا اور ہے اور تکلیف یعنی بندون کو مکلّف بنانے کا حکم اور ہے۔

چوتھا۔ مسئلۂ قدر جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ اس مین اگرچہ سارے معتزلہ اُس کے ہم خیال ہین مگر اُس نے سب سے الگ ایک تھوڑی سی جدّت طرازی بھی کی ہے۔ یعنی وہ دنیا مین تو قدر کا قائل ہے۔ مگر آخرت مین جبر کا۔ کہتا ہے "جنت و دوزخ مین بندون کو اپنے افعال و حرکات پر قدرت نہ حاصل ہو گی۔ اُن کے تمام افعال خداے تعالےٰ کے مخلوق ہون گے۔ کیونکہ وہان اگر اُن کے افعال اختیاری ہوتے تو وہ مکلّف بھی ہو جاتے"۔

پانچوان اُس کا دعوی ہے کہ جنت اور دوزخ والون

کے افعال و حرکات منقطع ہو جائیں گے اور وہاں ایک سکون کا عالم ہو گا۔ اُس سکون مین ساری لذتین جنت والون کے ساتھ اور سارے ہموم و آلام دوزخ والون کے ساتھ جمع ہو جائین گے۔ اُس کا یہ عقیدہ جہم کے عقیدے سے اتنا ملتا ہے جو قائل تھا کہ جنت و دوزخ دونون فنا ہو جائین گے۔

چھٹا۔ استطاعت یعنی کچھ کرنے کی قدرت ہونا اس مین وہ کہتا ہے کہ استطاعت ایک عرض ہے بہ خلاف تندرستی و مرض کے اُس نے افعال قلب اور افعال جوارح مین بھی تفریق کی ہے اتنا ہے کہ قدرت و استطاعت نہ ہونے کے باعث افعال قلب کا وجود نہین ثابت ہوتا۔ اور افعال جوارح کے وجود کو بغیر اختیار کے تسلیم کرنے کے باعث اُس نے مان لیا ہے۔ اِس کے ساتھ مدعی ہے کہ بندے کے افعال سے جو امور پیدا ہون وہ بھی اُسی کے افعال ہیں۔ بجز رنگ۔ مزے۔ اور بو اور ایسی تمام چیزون کے جن کی کیفیت نہ معلوم ہو۔ علم و ادراک کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ حادث ہین جو سماعت۔ تعلیم یا خبر سے کسی ذات مین پیدا ہو جایا کرتے ہین۔ مگر اُن کو اللہ پیدا کرتا ہے بندون کے افعال نہین ہین۔

ساتوان۔ کہتا ہے صاحب فکر پر واجب ہے کہ ورود سمع سے پہلے ہی خدا کو دلائل سے پہچانے۔ اور نہ پہچانے تو مستوجب

عذاب ہوگا۔ اسی طرح ہر بُری چیز کی بُرائی اور ہر بھلی چیز کی بھلائی کا عقل سے سمجھ لینا بھی اُس پر واجب ہے۔ چنانچہ اچھے کام کو اختیار کرنا اور بُرے کام سے پرہیز کرنا اُس پر واجب ہے۔ عبادت کی نسبت اُس کا قول ہے کہ اُس سے نہ خدا مقصود ہے اور نہ تقرب الٰہی۔

آٹھوان۔ اجل اور رزق کے معاملے مین وہ کہتا ہے کہ تقدیری ہین۔ اگر کوئی شخص نہ قتل کیا جائے تو بھی موت کا مقررہ وقت آتے ہی مر جائے گا۔ کیونکہ عمر مین زیادتی وکمی جائز نہین۔ اور رزق کے بارے مین کہتا ہے کہ جو چیزین جائز ہین وہی رزق ہین ناجائز چیز رزق نہین ہو سکتی۔

نوان۔ بعض لوگ اُس کا یہ عجیب قول بھی بتاتے ہین کہ ارادۂ باری غیر مراد ہے۔ یعنی خود خدا کو اُس کا ارادہ نہ تھا۔ کسی مخلوق کو پیدا کر دینا ہی اُس کا ارادہ ہے۔ اُس کے خیال مین کسی شے کو پیدا کرنا ایک شے غیر ذات ہے۔ پیدا کرنے کی نسبت کہتا ہے کہ وہ خدا کا ایک قول ہے جو کسی محل مین ہے۔ اور مدعی ہے کہ قبل تخلیق عالم ازل مین خدائے تعالیٰ کے سمیع وبصیر ہونے کے یہ معنے ہین کہ عنقریب سُنے اور دیکھے گا۔ اور یہی معنے غفور۔ رحیم خالق اور رازق وغیرہ کے ہین کہ آئندہ بخشے گا۔ رحم کرے گا۔ اور پیدا کرے گا۔ اور روزی دے گا۔

دسوان۔ ایک جماعت نے اُن کا یہ قول بھی نقل کیا ہے
کہ غائب امام زمین پر حجۃ ہیں شہادتون سے ثابت ہے کہ ہر زمانے مین سے
ایک یا زیادہ کا جنتی ہونا شرط ہے۔ مطلب یہ کہ زمین ایسے
اولیاء اللہ اور معصومین سے کبھی خالی نہین رہتی۔ جو جھوٹ بولا
جا سکین۔ اور نہ کبائر کے مرتکب ہون۔ ہذیل نے دور متوکل علی اللہ
کے زمانے مین سو برس کا ہو کر ۲۳۵ھ مین راہ نورد آخرت ہوا۔

نظامیہ۔ ابو نعیم بن سیار نظام کے پیرو۔ اس شخص نے
کتب فلسفہ کا بہت مطالعہ کیا تھا۔ اور اگلے فلسفیون کی باتون کو
بکثرت معتزلہ کے خیالات مین ملایا کرتا۔ اُس کے مخصوص خیالات
و معتقدات یہ ہین۔

پہلا۔ خیر و شر کے خدا کی جانب سے مقدر ہونے کے انکار
مین وہ اتنا اور بڑھ گیا کہ کہتا ہے "اللہ جل شانہ کی نسبت نہین
کہا جا سکتا کہ وہ بُرائیون اور گناہون پر قادر ہے" دیگر معتزلہ
کہتے تھے کہ "اُن پر خداے تعالے قادر تو ہے مگر کرتا نہین"
نظام اُن کے خلاف کہتا ہے کہ "نہین وہ بُرائی کر ہی نہین سکتا" اور
اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بُرائی جب بُری چیز ہے اور جس کی جانب
منسوب ہو اُس کی صفت ذاتی ہوا کرتی ہے تو اُسے اللہ جل شانہ
کی جانب کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اُس سے فعل بد کا
سرزد ہونا بھی بُرائی ہے۔ لہذا واجب ہے کہ ایسا نہ ہو۔ جو ذات

عدل کرنے والی ہو اُس کی نسبت نہین کہا جا سکتا کہ وہ ظلم کی قدرت رکھتی ہے" یہ بھی کہتا ہے کہ جن باتون مین بندون کی رفاہ و فلاح نظر آئے اُن پر تو خداے تعالےٰ قادر ہے۔ مگر جن باتون مین بندون کی بھلائی مقصود نہ ہو اُن پر اُسے قدرت نہین ہو سکتی۔ اور نہ ہے۔ مگر یہ اصول فقط دنیا کے لیے اور دنیا مین ہے۔ امور آخرت کے بارے مین اُس کا عقیدہ ہے کہ وہان خدا کو اتنی بھی قدرت نہین کہ اہل نار کے عذاب کو کچھ گھٹائے بڑھائے یا اہل جنت کی نعمتون مین کسی قسم کی کمی زیادتی کرے۔ یا کسی کو دوزخ سے نکال کے جنت مین یا جنت سے نکال کے دوزخ مین پہونچادے لوگون نے اعتراض کیا کہ اس سے تو خدا مجبور ہو گیا قادر تو اُسے کہتے ہین جو اپنے افعال مین سے کسی کے ترک یا اختیار کرنے کی قدرت رکھتا ہو" اُس نے جواب دیا کہ "جو الزام تم مجھے دیتے ہو وہی تم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تم بھی اُس سے بعض افعال کے صدور کو محال بتاتے ہو"

دوسرا۔ ارادۂ باری تعالیٰ یعنی ارادے کی صفت سرے سے متصف ہی نہین ہے۔ اور قرآن و حدیث مین جہان جہان خدا کا ارادہ کرنا بتایا گیا ہے وہان ارادے سے مراد ارادہ نہین بلکہ پیدا اور ایجاد کرنا مقصود ہے۔

تیسرا۔ کہتا ہے کہ بندون کے جملہ افعال ہمہ حرکات

ہیں۔ سکون بھی حرکت ہی ہے کیونکہ وہ حرکت قیامی کا نام ہے
علوم اور ارادے سب حرکات نفس ہیں۔ اُس کی اصطلاح میں
حرکت تغیر و تبدل کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد کسی تغیر یا
میل ہے۔

چوتھا۔ فلسفیوں کی طرح وہ بھی کہتا ہے کہ انسان دراصل
روح کا نام ہے۔ نفس اور جسم اُس کے آلات اور قالب ہیں۔ روح
کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جو بدن کے رگ رگ
اور ریشے ریشے میں جاری و ساری ہے۔ جیسے مائیت گلاب میں۔
دُہنیت تلوں میں۔ یا زبدیت دودھ میں۔ روح ہی ہے جب
قوت استطاعت۔ زندگی۔ اور ارادہ حاصل ہے۔ لہٰذا وہ کام پر
عمل کرنے سے پہلے ہی مستطیع ہے۔

پانچواں۔ چونکہ قدرت واستطاعت کا درجہ عمل سے
پہلے اور افضل تر ہے لہٰذا قدرت واستطاعت ہی خدا کا وہ فعل ہے
جو پیدا کرنے کو واجب کرتا ہے۔

چھٹا۔ جزو لایتجزی سے اس کو بخلاف عام متکلمین کے
انکار تھا۔

ساتواں۔ یہ کہ جوہر بہت سے عرضوں سے مرکب ہے
اور اُنھیں کے مجتمع ہونے سے جوہر بن گیا۔

آٹھواں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ نے تمام

موجود ہو ایسے ہی وقت میں پیدا کر دیا۔ اُسی حال پر جس پر کہ
پیدا ہیں۔ نہ وہ کہ تخلیقات ان کی اولاد کی پیدائش سے پیشتر نہ تھی۔
صرف اُن کا ظہور پہلے اور اولاد کا بعد ہوا۔

نواں۔ قرآن کا معجزہ فقط اس قدر ہے کہ اس میں گذشتہ
و آئندہ واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار
سے نہیں۔ یہ غیر ممکن نہ تھا کہ عرب کوئی قرآن کی سورت تصنیف کر کے
پیش کر دیتے۔

دسواں۔ کہ وہ اجماع کو شرع میں حجت نہیں مانتا
تھا اور نہ احکام شرعیہ میں قیاس کے جائز ہونے کا قائل تھا کہتا
کہ حجۃ صرف امام معصوم کا قول ہوتا ہے۔

گیارھواں۔ نظام کا رجحان شیعیت کیطرف تھا چنانچہ
وہ کبار صحابہ پر طعن کیا کرتا تھا۔ اُس نے پہلے تو یہ دعوی کیا کہ امامت
بغیر نص یعنی صریح حکم خدا و رسول کے نہیں ہو سکتی اس کے بعد دعوے
کرتا کہ جناب رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کی امامت کے بارے
میں صریح نص فرما دی تھی اور اُس کو اس قدر صاف اور عیان کر دیا
تھا کہ اُس میں ذرا سے شبہ کی بھی گنجایش نہ تھی مگر حضرت عمر نے اُس کو
چھپا ڈالا۔ اور سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا۔ اسی
طرح کے اور بہت سے الزامات اُس نے حضرت عمر کو دیے جیسے کہ عموماً
شیعہ دیا کرتے ہیں۔ اسی قدر نہیں وہ بہت سی دور از عقل اور

خلاف قیاس رواتیون کو پیش کر کے صحابہ پر طعن و تشنیع کرنے لگا تھا

بارھوان۔ یہ کہ جو شخص عاقل اور صاحب بصیرت ہو اگر بالغ ہو اُس پر باری تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے۔ اور انسان اپنے تمام افعال مین تحسین و تقبیح یعنی بھلا یا برا سمجھنے کا حاکم اور قاضی وہ شرع کے مقابلے مین عقل کو بتاتا۔

تیرھوان۔ وعد و وعید کے مسئلہ کے متعلق اُس نے فیصلہ کیا کہ چوری، ظلم اور فسق جب تک نصاب زکوٰۃ کے درجے یعنی دو سو درہم کی مقدار کو نہ پہونچ جائین جرم نہین ہین۔

حائطیہ۔ احمد بن حائط کے پیرو۔ اور انھین کے قریب قریب **حدثیہ** فرقہ تھا جو لوگ فضل حدثی کے پیرو تھے۔ یہ دونون نظام کے شاگرد تھے اور فلسفہ کی کتابین پڑھ پڑھ کے روز نئی بدعتین ایجاد کرتے اور انوکھے مسائل نکالتے۔ مگر اُن کی خاص تین باتین قابل بیان ہین۔

پہلی۔ یہ کہ اُس نے نصرانیون کی پیروی مین حضرت مسیح کی ذات مین ایک الٰہی حکم تسلیم کر لیا۔ اور معتقد تھا کہ مسیح ہی ہین جو حشر کے دن بندون کا حساب و کتاب کرین گے۔ کہتا کہ قرآن مجید مین جو آیا ہے "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" اُس مین رب سے مسیح مراد ہین۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ وہ ابر کے سایے مین آئین گے۔ آیۂ کریمہ "أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ" مین اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی

داخل احادیث "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُورَۃِ الرَّحمٰن" (بہ تحقیق اللہ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا) اور "یَضَعُ الجَبَّارُ قَدَمَہٗ فِی النَّارِ" (جبار (خدا) اپنا قدم دوزخ مین رکھے گا) مین "رحمٰن" اور "جبار" سے مراد مسیح ہین۔ اُس کا قول تھا کہ مسیح نے جسمانی جسد کا قالب پہن لیا۔ وہ ازلی و کلمہ قدیمہ متحدہ تھے اور یہی عقیدہ نصاریٰ کا ہے۔

دوسری وہ تمام معتزلہ سے قدم آگے بڑھا کے مسئلہ تناسخ کا بھی قائل ہو گیا۔ کہتا تھا کہ "خدا نے جملہ مخلوق کو عاقل و بالغ صحیح و سالم اس دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم مین پیدا کیا۔ پھر اُن مین علم اور اپنی معرفت کو پیدا کر دیا۔ اور اپنی نعمتین اُن کو عطا کین۔ یہ جائز نہین ہے کہ باری تعالےٰ پہلے پہل جسے پیدا کرے وہ عاقل ناظر اور عبرت پذیر نہ ہو۔ اُنھین پیدا کرنے کے بعد سب کو اپنا شکر ادا کرنے کا مکلف کیا۔ بعض نے اطاعت کی اور اُس کے حکمون پر عمل کیا۔ بعض نے نافرمانی کی۔ اور بعض نے بعضے احکام مانے اور بعضے نہین مانے۔ جنھون نے سب احکام پر عمل کیا اُنھین جنت مین رکھا۔ جنھون نے کُل حکمون کی نافرمانی کی اُنھین اُس اصلی عالم نعمت سے نکال کے دوزخ مین پھینک دیا۔ اور جنھون نے بعضے حکم مانے اور بعضے نہین مانے اُنھین اس دنیا مین بھیجا۔ اُن کو یہ کثیف جسم پہنائے۔ اور مختلف صورتون سے خوف و ضرر۔ شدت و سہولت اور آلام و لذات

مین مبتلا کیا۔ اُن کو اُن کے گناہون کے مناسب آیندہ دنیا مین جانورون کی صورتین دین۔ چنانچہ وہ اپنے گناہون کے مطابق دنیا مین صورتین بدلتے رہین گے۔ بعد کو احمد اور اس کے معتقدین اس خیال مین اور آگے بڑھ گئے اور انھون نے اس پر یہ اور اضافہ کیا کہ جن کی بہائم کی صورتین ہوتی ہین انھین نبوت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہوا ہے اُن دونون عالمون مین شرع کی تکلیفین اُٹھ جاتی ہین۔

حائطیہ اور حدثیہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ آخرت مین پانچ عالم ہین۔ دو ثواب کے اُن مین سے ایک جس مین کھانا پینا نکاح اور صحبت۔ باغ اور نہرین ہین۔ یعنی لذات جسمانی ہین۔ دوسرا جس مین محض روحانی لذتین اور غیر جسمانی امور ہین۔ تیسرا محض عذاب و عقاب کا عالم ہے اس سے جہنم مراد ہے۔ اس مین کوئی ترتیب اور درجہ بندی نہین۔ بلکہ سب کے لیے عذاب یکسان ہے۔ چوتھا وہ پہلا عالم نعمت ہے جس مین خداے تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اس عالم دنیا مین آنے سے پہلے پیدا کیا تھا۔ اور یہی پہلی جنت تھی۔ پانچوان وہ مقام اور عالم ہے جس مین خدا نے پہلے پہل سب کو مکلف کیا۔

تیسری۔ رویت باری سے انکار۔ اس بارے مین جتنی آیتین اور حدیثین وارد ہوئی ہین اُن کے متعلق اُس کا خیال تھا کہ سب مین عقل اوّل فعّال کا دیکھا جانا مراد ہے۔ جو مخلوق کو صورتین

عطا کرنی ہے۔ آنحضرت صلعم نے جو فرمایا ہے کہ "اوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ العَقلُ فَقَالَ لَہُ اَقْبِل فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَہُ اَدْبِر فَاَدْبَرَ فَقَالَ وَعِزَّتِی وَجَلَالِی مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَحْسَنَ مِنْکَ بِکَ اُعِزُّ وَبِکَ اُذِلُّ وَبِکَ اُعْطِی وَ بِکَ اَمْنَعُ۔ (اللہ نے پہلے جو چیز پیدا کی عقل ہے۔ تخلیق کے بعد اُس سے کہا اِدھر پھر وہ اِدھر پھری۔ پھر کہا اُدھر مڑ وہ اُدھر مڑ گئی تب فرمایا۔ اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مین نے تجھ سے اچھی کوئی چیز نہین پیدا کی۔ تجھی سے مین عزت دون گا۔ اور تجھی سے ذلت۔ تجھی سے دون گا اور تجھی سے (روزی کو) روکون گا۔) اس سے وہی عقل اوّل فعال مراد ہے جو قیامت کے روز نمایان ہوگی سامنے سے پردے اُٹھ جائین گے۔ اور وہ چودھوین رات کے چاند کی طرح آنکھون کے سامنے ہو جائے گی۔ خود باری تعالے ہرگز نہین دیکھا جا سکتا۔

بشریہ۔ بشر بن مُعتمر کے پیرو۔ یہ معتزلہ کے بڑے فاضل علما مین سے تھا۔ اور مسئلہ "تولد" کا یہی پہلا بانی ہے جس مین وہ حد سے گزر گیا۔ اس مسئلہ اور چند اور مسائل مین وہ دیگر معتزلہ سے منفرد ہے جو حسب ذیل ہین۔

پہلا اُس کا تولد کا مسئلہ وہ یہ تھا کہ اُس کے خیال مین رنگ، مزہ، بُو اور تمام ادراکات محض سننے سے پیدا ہوتے ہین۔ اور دیکھنے کی نسبت کہتا کہ ممکن ہے یہ قوت اِدراکیہ کسی غیر پر عمل کرنے سے پیدا ہو جاتی ہو۔

دوسرا۔ استطاعت اُس کی تحقیق مین سلامتی اسباب و اعضا و صحت جوارح۔ اور اُن کے آفات سے محفوظ رہنے سے استطاعت پیدا ہوتی ہے۔

تیسرا۔ اُس کا دعوی تھا کہ اللہ جل شانہ معصوم بچے پر ظلم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ مگر وہ ایسا کرتا نہین۔ گو کہ ایسا ہے مگر یہ اچھا نہین کہ کہا جائے وہ ظلم کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ خدا کسی معصوم بچے پر ظلم کرے تو دراصل وہ بچہ نابالغ نہین۔ بلکہ عاقل و بالغ ہوگا۔ اُس نے گناہ کیا۔ اور مستحق عذاب ہوگیا۔

چوتھا۔ اِس کا یہ قول بھی سُنا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارادہ بھی اُس کے افعال مین سے ایک فعل ہے دو صورتون سے یا یون کہ وہ صفت ذات ہے۔ یا یون کہ صفت فعل ہے صفت ذات کی صورت یہ ہے کہ وہ جل شانہ ہمیشہ اپنے تمام افعال کا ارادہ کررہا تھا۔ اور نیز اپنے بندون کی تمام عبادتون کا۔ اس لیے کہ وہ حکیم ہے اور یہ جائز نہین کہ کوئی حکیم بھلائی اور نیکی کا علم رکھے اور اُس کا ارادہ نہ کرے۔ اور صفت فعل یون کہ اُس نے پیدا کرتے وقت اپنے فعل نفس کا ارادہ کیا۔ لہذا وہ ارادہ بھی مخلوق اور قبیل تخلیق ہے۔

پانچوان وہ کہتا ہے خدا کے پاس ایک لُطف ہے۔ اگر اُسے کام مین لائے تو تمام ساکنین ارض ایمان لاکر مستحق ثواب

ہو رہا ہے۔ مگر خدا پر واجب نہیں ہے کہ بندوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ کیونکہ اُس کے لیے لازم نہیں ہے کہ ہر امر میں اصلح یعنی بہترین صورت کو اختیار کرے۔ اصلح ایک اضافی شے ہے۔ اور کوئی ایسا اصلح نہیں جس سے کوئی اصلح تر موجود نہ ہو۔ خدا کے لیے صرف اتنا واجب و لازم ہے کہ بندوں کو قدرت و استطاعت دے۔ اور اس کے ساتھ دعوت۔ ہدایت۔ رسالت اور فکر و غور کے ایسے وجوہ و اسباب بصیرت پیدا کر دے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے افعال میں فاعل مختار ہو گیا۔ تو دو خاطروں یعنی دونوں نفسوں کی کشاکش سے مصئون و مامون ہو گیا۔ اور یہ دونوں نفس خدا کی طرف سے نہیں بلکہ شیطان کی طرف سے ہیں کہتا ہے فکر و غوض کرنے والے کے پاس اُس کے فکر کرنے سے پیشتر شیطان آکر اُس کے دل میں شکوک و شبہات نہیں پیدا کرتا۔ اور اگر شیطان کا فکر سے پہلے آنا تسلیم کیا جائے تو اس بارے میں پھر وہی تقریر ہو گی کہ اسباب بصیرت اُس کے پیشتر پیدا ہو چکے تھے۔

چھٹا یہ کہ جو کوئی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو اور اُس سے توبہ کرنے کے بعد پھر اُس کا مرتکب ہو تو اُس کا پہلا استحقاق عذاب عود کر آتا ہے۔ اگرچہ توبہ سے پہلے اُس عذاب کے متعلق شرط تھی کہ عود نہ کرے گا۔

معمریہ معمر بن عباد سلمی کے پیرو۔ یہ سب سے بڑا قدری العقیدہ شخص تھا صفات الٰہی اور خیر و شر کے منجانب اللہ ہونے

مین وہ اس درجہ سخت اور شدید تھا کہ اُس کے خلاف عقیدہ رکھنے والون کو کافر و گمراہ بتاتا۔ اور چند خاص مسائل مین دیگر معتزلیون سے متفرد ہے۔

پہلا۔ کہتا ہے کہ خداے تعالی نے بجز اجسام کے کسی چیز کو نہین پیدا کیا۔ اعراض اجسام کے اختراع و ایجاد کیے ہوے ہین۔ یا بالطبع پیدا ہو گئے ہین۔ جیسے آگ سے جلانا۔ آفتاب سے گرمی وغیرہ۔ یا اختیاری طور پر پیدا ہوے ہین جیسے کہ حیوان حرکت و سکون اور اجتماع و افتراق کو پیدا کرتا ہے حیرت کی یہ بات ہے کہ اُس کے خیال مین جسم کا پیدا ہونا اور فنا ہونا بھی عرض ہین۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ خدا نے عرض کو نہین پیدا کیا تو سمجھنا چاہیے کہ اُس کے خیال مین جسم کا پیدا اور فنا ہونا بھی خداے تعالی کے کام نہین ہین۔ اس عقیدے کا انجام یہ ہے کہ خداے تعالے کا کوئی فعل باقی ہی نہین رہتا۔ اور مسلمانون کا خدا یونانیون کا خداے معطل بن جاتا ہے۔

دوسرا۔ یہ کہ اعراض ہر نوع مین غیر متناہی ہین۔ پھر اس کے ساتھ اُس نے دعوی کیا کہ "ہر عرض کسی محل مین قائم ہے اور اُن کا قیام ایسے معانی سے مراد ہے جو اُس قیام کو واجب کر دیتے ہین"۔

تیسرا۔ یہ قول بھی اُس کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

کہ "خدائے تعالے کا ارادہ غیر اللہ ہے۔ اور وہ اُس کے کسی
چیز کو پیدا کرنے یا اُس کے امر و نہی و اخبار کے بھی علاوہ ہے۔
اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارادۂ باری تعالٰے ایک مجہول و نا معلوم
الاصل چیز رہ گیا۔ اُس کا یہ بھی قول ہے کہ" انسان کے لیے بجز ارادے
کے اور کوئی فعل نہین ہے۔ وہ ارادہ عام اس سے کہ تعمیلاً ہو یا
تولیداً۔ یعنی چاہے اُس کا فعل ہو۔ یا اُس کی ایجاد۔ اور قیام و قعود
اور حرکت و سکون مین سے جو خیر و شر کے متعلق ہون اُس کے تکلیفی
افعال ہین یعنی وہ کام جن سے وہ مکلّف ہوتا ہے۔ یہ افعال اس
کی جانب نہ بطریق عمل منسوب کیے جاتے ہین۔ نہ بطریق تولید۔ اُس
کے مسلک مین انسان ایک معنی یا جوہر ہے غیر جسد۔ وہ عالم قادر
مختار اور حکیم ہے۔ نہ متحرک ہے۔ نہ ساکن۔ نہ متکوّن ہے۔ نہ متمکن۔
نہ دیکھا جاتا ہے نہ چُھوا جاتا ہے۔ اور نہ محسوس ہوتا ہے۔ اور
نہ وہ کسی زمانے مین محصور ہے۔ لیکن وہ مدبر جسد ہے۔ اور
بدن سے اُس کو صرف تدبیر و تصرف کا علاقہ ہے۔

چوتھا۔ یہ امر بھی اُس کی جانب منسوب کیا جاتا ہے
کہ وہ اللہ جل شانہٗ کے قدیم ہونے سے بھی منکر تھا۔ اس لیے کہ لفظ
قدیم "قِدم" سے ماخوذ ہے جو ایک فعل ہے۔ اور ذات باری اس
سے منزہ ہے کہ کسی اور چیز سے ماخوذ ہو۔ اور اسی کی بنا پر اُس
نے دعوی کیا کہ" باری تعالٰے کا وجود زمانی نہین ہے" اسی سلسلے مین

اس نے کہا کہ "خلق غیر مخلوق ہے اور احداث غیر محدث ہین"
جعفر بن حرب نے اُس کا یہ دعوی بھی بیان کیا ہے کہ "محال ہے
اللہ تعالے خود اپنی ذات کا علم رکھتا ہو۔ یعنی اپنے کو جانے۔
کیونکہ اگر جانے تو عالم و معلوم ایک ہو جائین گے"۔ پھر کہتا ہے "اسی
بنا پر یہ بھی محال ہے کہ خداے تعالے کو اپنے غیر کا علم ہو۔ اور یہ
بھی محال ہے کہ من حیث اپنے موجود ہونے کے اُسے موجودات
پر قدرت حاصل ہو"۔

اِن خیالات سے صاف نظر آتا ہے کہ فلسفۂ یونان کے چکر
مین پڑ کے معتزلہ کہان سے کہان پہونچ گئے تھے۔ اور ناقص عقل کی
تقلید مین جس کو وہ حماقت سے شرع پر حاوی سمجھ گئے تھے اُن
سے کیسی بے عقلی اور جہالت کی باتین سرزد ہونے لگین۔

مُزداریہ عیسی بن صُبیح مکنّی بہ ابو موسی اور ملقب بہ مُزدار
کے پیرو۔ یہ شخص بشر بن معمر کا شاگرد اور معتزلہ مین بڑا عابد و زاہد
تھا جس کے باعث "راہب معتزلہ" کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ چند
امور مین وہ بھی دیگر معتزلہ سے متفرد ہے۔

پہلا۔ کہتا تھا کہ اللہ تعالے کو اس کی قدرت ہے کہ جھوٹ
بولے یا ظلم کرے۔ لیکن اگر ایسا کرے تو وہ معاذ اللہ جھوٹا اور
ظالم خدا ہو گا۔

دوسرا۔ اس کا قول تولّد یعنی افعال کو خود بندون کے

پیدا کرنے کے بارے مین اپنے اُستاد بشر کے مثل ہے۔ مگر اتنی زیادتی
کے ساتھ کہ کہتا ہے تولّد کے اصول کے مطابق ممکن ہے کہ دو فاعلون
سے ایک فعل پیدا ہو۔"

تیسرا۔ قرآن مجید کے بارے مین کہتا ہے " انسان کو قدرت
ہے کہ قرآن کا ایسا کلام تصنیف کر دے۔ جو بہ لحاظ فصاحت اور
باعتبار ترتیب و بلاغت کے ویسا ہی ہو جیسا کہ ہمارا قرآن ہے"۔ یہ شخص
مسئلۂ خلق قرآن مین بڑا متشدد تھا۔ اور جو لوگ کلام الٰہی کو قدیم بتاتے
اُنھین کافر بتاتا۔ اُس نے دو قدیم ثابت کیے۔ اور کہا جو شخص سلطان
زمانہ کے مشابہ بننا چاہے کافر ہے۔ نیز بادشاہ کی نسبت کہا " وہ
نہ وارث ہوتا ہے نہ مورث"۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ جو لوگ بندون
کے افعال کو خدا کا مخلوق بتائین یا کہین کہ باری تعالےٰ آنکھون سے
دیکھا جا سکتا ہے وہ سب کافر ہین۔ اُس کو تکفیر مین نہایت غلو تھا۔
یہان تک کہ کہنے لگا لا الہ الا اللہ کہنے مین بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔
ابراہیم سندی نے پوچھا " دنیا کے لوگ کیسے ہین"؟ کہا سب کافر ہین"۔
ابراہیم نے یہ جواب سُن کر کہا " تو جنت مین جس کا عرض آسمانون
اور زمینون کے برابر ہے۔ اکیلے آپ جائین گے یا آپ کے تین ہمخیال"؟
اس کا اُس نے کچھ جواب نہین دیا۔

ثمامیہ۔ ثمامہ ابن اشرس نمیری کے پیرو۔ اُس کو یقین
تھا کہ جو فاسق بغیر توبہ کیے مرجائے وہ ہمیشہ دوزخ مین رہے گا۔

اور زمانۂ زندگی دنیوی کے اندر وہ نہ کفر مین ہے نہ اسلام مین بلکہ دونون کے درمیان ایک تیسرے درجے مین ہے۔ یہ بھی چند مسائل مین تفرد ہے۔

پہلا۔ یہ کہ افعال متولدہ کا کوئی فاعل نہین ہے اور اُنھین فاعل اسباب کی طرف بھی منسوب نہین کر سکتے۔ کیونکہ اس مین لازم آئے گا کہ کبھی بعض افعال کو کسی فنا شدہ فاعل کی طرف منسوب کرین اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سبب کا اصلی بانی ہلاک ہو جاتا ہے اور پیدا شدہ چیز باقی رہتی ہے۔ اور ان افعال کو باری تعالے کی طرف بھی منسوب نہین کر سکتے۔ اس لیے کہ اس صورت مین بُرے کام بھی اُس وحدہٗ لاشریک کی جانب منسوب کیے جائین گے۔ اسی کشمکش مین پڑ کر اُس نے گھبرا کے کہہ دیا کہ "افعال وہ متولدات ہین جن کا کوئی فاعل نہین"

دوسرا۔ اُس کا دعوی تھا کہ کفار مشرکین ہون یا مجوس یہودیون یا نصارا۔ زندیق ہون یا دہریے۔ قیامت کے دن وہان سب خاک ہو جائین گے۔ اور یہی حال مومنین کے بچون اور بہائم وطیور کا ہوگا۔

تیسرا۔ استطاعت کے مسئلہ مین وہ کہتا ہے کہ قادر ہونا سلامتی نفس اور صحت اعضا کا نام ہے۔ اور اس کا کہ تمام اعضا ہر قسم کی آفتون سے محفوظ ہون۔ اور یہ چیز فعل سے پہلے ہوا کرتی ہے۔

چوتھا۔ یہ کہ معرفت غور و خوض اور فکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا فعل ہے جس کا تمام پیدا ہونے والے افعال کی طرح کوئی فاعل نہیں ہے۔

پانچوان۔ اُس کا دعوی ہے کہ تحسین و تقبیح یعنی کسی چیز کو اچھا یا برا سمجھنا دونون عقل سے ہین۔ اور معرفت ورود نص یعنی قرآن الٰہی و حکم رسالت پناہی سے پہلے انسان پر واجب ہے جیسا کہ دوسرے ائمۂ معتزلہ کہتے ہین۔ مگر وہ اس مین اتنی ترقی کرتا ہے کہ کفار مین سے بعض اپنے خالق کو نہین پہچانتے اور معذور ہین ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ تمام معرفتین بدیہی ہین۔ اور جو خدا کی معرفت پر مجبور نہ ہو جائے وہ جانورون کی طرح بندون کا مسخّر ہے۔

چھٹا۔ کہتا ہے انسان کا بجز ارادے کے کوئی فعل نہین ہے۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ایک حادث ہے جس کا کوئی محدِث نہین۔

ہشامیہ۔ یہ لوگ ہشام بن عمرو فوطی کے پیرو تھے جو قدر یعنی انسان کے فاعل مختار ہونے کے مسئلہ مین تمام ائمۂ معتزلہ سے زیادہ سخت تھا۔ اور کسی فعل کے باری تعالے کی جانب منسوب کرنے کے نہایت مخالف تھا۔ اصولی مسائل مین اُس کے خاص اجتہادات یہ ہین۔

اول۔ کہتا کہ مومنون کے دلون مین اتحاد کو اللہ جل شانہٗ

نہین پیدا کرتا۔ حالانکہ قرآن مجید مین صراحۃً موجود ہے " مَآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ " (تونے مومنون کے دلون کو نہین متحد کیا بلکہ اللہ نے کیا)

دوم۔ یہ کہ ایمان کو مومنون کے دلون مین اللہ محبوب نہین بناتا۔ اور نہ اُن کے دلون مین اس کو رونق دیتا ہے۔ حالانکہ کلام اللہ مین صاف موجود ہے کہ "حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ " (اس نے ایمان کو تمارا محبوب بنایا۔ اور تمھارے دلون مین اُسے بارونق کیا۔) اسی طرح وہ اس کے بھی خلاف تھا کہ طبع کرنے (چھاپنے) اور مہر کرنے کے افعال کو خدا کی جانب منسوب کیا جائے گو کہ قرآن پاک مین صاف طور پہ اِس کے خلاف موجود ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ " طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ " (اللہ نے اُن کے دلون اور کانون پہ مہر کردی) اور (اللہ نے اُن کے کفر کو اُن کے دلون پہ چھاپ دیا) مگر اُس کے عقیدے مین ایسی تمام آیتون مین تاویل کرنا واجب ہے۔

وہ یہ بھی۔ کہتا تھا کہ خدا کے خالق ہونے کا ثبوت اعراض سے نہین نکلتا صرف اجسام سے نکلتا ہے۔

امامت وخلافت کے بارے مین اُس کا مذہب تھا کہ اُس کا انعقاد فتنہ و فساد کے زمانے مین نہین ہو سکتا۔ صرف اتفاق اور امن وامان کے زمانے مین خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہیے

اور اس مسلک مین وہ یہان تک متشدد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کیا کرتا۔ کیونکہ آپ کی بیعت یوم الدار یعنی حضرت عثمان کی شہادت کے فتنے کے وقت ہوئی تھی۔

اُس کے بدعات یہ بھی ہین۔ کہتا تھا جنت و نار ابھی پیدا نہین ہوئی ہین۔ آیندہ پیدا ہون گی۔ کیونکہ ابھی سے اُن کے پیدا کر دینے کا کوئی نتیجہ نہین۔ اور کہتا یہ کہنا بھی صحیح نہین ہے کہ کافر کو خدا نے پیدا کیا۔ کیونکہ کافر سے مراد انسان مع کفر کے ہے۔ اور کفر کو خدا نہین پیدا کر سکتا۔

اس شخص کو اپنے مذہب مین اس قدر غلو تھا کہ اپنے تمام مخالفون کو کافر کہتا۔ اور اُن کے قتل و غارت کو حلال سمجھتا تھا۔

جاحظیہ عمرو بن بحر جاحظ کے تبعین۔ یہ شخص بھی معتزلہ کا ایک بڑا عالم و فاضل تھا۔ اور اُن کے مذہب کا بڑا مصنف ہے۔ اُس نے بہت سی فلسفہ کی کتابین پڑھین۔ اور چونکہ ادیب کامل تھا۔ لہٰذا اپنے عقائد و مسائل کو فصیح و بلیغ عبارت مین شائع کرتا۔ معتصم باللہ اور متوکل علی اللہ کے زمانون مین تھا۔ بعض اصولی مسائل مین وہ بھی متفرد ہے۔

کہتا ہے سارے معلومات انسانی بداہۃً طبعی ہین۔ اور اُن مین سے کوئی نہین جو بندون کا فعل ہو۔ اور بجز ارادے کے بندون کو کوئی کسب بھی نہین حاصل ہے۔ اُسی ارادے سے

بندوں کے افعال طبعی طور پر سرزد ہو جاتے ہین۔
اُس نے اجسام مین طبعیتین ثابت کی ہین۔ **کہتا ہے**
جوہرون کا عدم محال ہے۔ تغیر و تبدل صرف عرضون مین ہوتا ہے۔
اور یہ **کہتا ہے** کہ دوزخ والون پر ہمیشہ عذاب نہ رہے گا۔ بلکہ
اُن کی طبعیتین ہی ناری ہو جائین گی اور حرارت کے عذاب کو نہ
محسوس کر سکین گی۔
نفی صفات مین اُس کا مذہب فلسفیون کا ہے **خیر و شر**
کو بندون کی طرف منسوب کرتا یعنی قدر کا قائل تھا۔ **کہتا** سارے
ذی عقل مخلوق جانتے ہین کہ اللہ اُن کا خالق ہے۔ اور یہ بھی جانتے
ہین کہ اُنھین نبی کی حاجت ہے۔ مگر باوجود اس معرفت کے مجبوب
ہین۔ اُن مین دو قسم کے ہین۔ ایک وہ جو توحید کو جانتے ہین۔ اور
دوسرے وہ جو اُس کو نہین جانتے۔ نہ جاننے والے معذور ہین اور
جاننے والون کے لیے حُجت موجود ہے۔ لہذا جو مسلمان یہ عقیدہ
رکھے کہ اللہ جل شانہ نہ مجسم ہے۔ نہ متشکل ہے۔ آنکھون سے نہین دکھا
جا سکتا ہے۔ عادل ہے ظلم نہین کرتا۔ اور نہ گناہون کا ارادہ کرتا ہے
اور اعتقاد و یقین سے اِن باتون کا اقرار کرتا ہو وہ سچا مسلمان ہے
اور اگر ان سب امور کو جانے مگر ماننے سے انکار کرے۔ یا تشبیہ و
جبر کا قائل ہو وہ پکا کافر ہے۔ اور اگر ان امور پر غور ہی نہ کرے
مگر اِس کا معتقد ہو کہ خدا اُس کا خالق ہے۔ اور محمد صلعم خدا کے

رسول ہیں اُس کے لیے کوئی ملامت والزام نہین۔ اور اس کے سوا وہ اور کسی بات کا مکلف نہین ہے۔

قرآن مجید کی نسبت اُس کا قول تھا کہ وہ ایک جسد ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی وہ انسانی اور کبھی حیوانی شکل مین نمایان ہو۔

خیاطیہ۔ ابوالحسن خیاط کے پیرو۔ یہ بھی بغداد کا ایک معتزلی عالم تھا۔ معدوم کو ایک ہستی ثابت کرنے مین اِس شخص کو بڑا غلو تھا۔ ہر چیز اور ہر جوہر وعرض کو عالم عدم مین موجود بتاتا ہے۔

جبائیہ اور **ہشمیہ**۔ پہلا گروہ علی بن محمد بن عبدالوہاب جبائی کی طرف منسوب ہے۔ اور دوسرا اُس کے بیٹے ہاشم عبدالسلام کی طرف۔ دونون مصر کے معتزلی تھے۔ بعض مسائل مین دونون عام معتزلہ کے خلاف ہین۔ اور بعض مین باہم مخالف ہین جن مسائل مین وہ دیگر معتزلہ کے خلاف ہین یہ ہین۔

اوّل اُنھون نے ایسے حادث ارادے ثابت کیے ہین جن کا قیام کسی محل مین نہین۔ باری تعالے تخلیق کا ارادہ کرنے مین اُنھین حادث ارادون سے متصف ہے بغیر اس کے کہ وہ کسی محل مین ہون۔ اِسی طرح وہ جل شانہ عالم کے فنا کرنے مین بھی اُنھین حادث ارادون سے متصف ہے۔ اور وہ بھی کسی محل مین نہین ہین۔ اور ان صفتون مین سے جو زیادہ خصوصیت واہمیت رکھتی ہین وہ اللہ جل شانہ

کیطرف اس لیے منسوب ہین کہ وہ بھی کسی محل مین نہین ہے۔ اُس
نے ایسے موجودات بھی ثابت کیے جو سب عرض ہین یا عرض کے حکم
مین ہین مگر کسی محل مین نہین اسی طرح ایسے جوہر بتاتے ہین جو جوہر
ہین یا جوہر کے حکم مین ہین اور کسی محل مین نہین یہ مسلک فلسفہ سے
ماخوذ ہے جو عقل کو ایسا جوہر بتاتے ہین جو کسی محل مین نہو اور نفس
کلّی وغیرہ کو بھی ایسے عرض کہتے ہین جو کسی محل مین نہین ہین۔
دوسرا یہ کہ اللہ تعالےٰ ایک ایسے کلام سے متکلم ہے
جس کو وہ کسی محل مین پیدا کردیتا ہے کلام کی حقیقت اُن کے نزدیک
منقطع آوازین اور مرتب حروف ہین۔ اور متکلم وہ ہے جو کلام کو کرے
نہ وہ جس مین کلام قائم ہو۔ جبّائی سب کے خلاف اس بات کے قائل
ہے کہ جس وقت کوئی قاری تلاوت کرتا ہے خداوند تعالے اُس قاری کے
نفس کے کلام کو پیدا کردیتا ہے۔
تیسرا۔ اُس عالم مین خدا کا دیدار ہونے کے دونون منکر
ہین۔
چوتھا۔ اس مسئلہ مین بھی دونون باپ بیٹے متفق ہین کہ منعم
کے شکر کی معرفت۔ اور بُرائی بھلائی کی معرفت دونون عقلی واجبات
ہین یعنی عقلاً اُن کا جاننا انسان پر واجب ہے۔ اس مین اُنھون
نے ایک شریعت عقلیہ ثابت کی ہے۔ اور شریعت نبویہ کو اُن اُمور تک
جو مقدر ہون اور اُن عبادتون تک جو خاص اوقات کے لیے مخصوص

حدود محدود کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اُن کی مصلحت تک عقل انسانی نہین پہونچ سکتی۔

پانچوان کہتے ہن حکمت و عقل کے تقاضے سے ہر حکیم پر واجب ہے کہ عبادت کرنے والے کو ثواب دے۔ اور گنہگار پر عذاب ... اور چونکہ خدا حکیم ہے لہذا اُس پر یہ واجب ہے۔ مگر ... کا ایک ... زمانے کے لیے ہونا یا دائمی ہونا شرع نبوی ... ہوتا ہے۔

چھٹا۔ ایمان ... کی اصطلاح مین ایک مدحیہ نام ہے۔ اُس شخص کے لیے جس مین اچھی خصلتین مرتکز و راسخ ہو جائین جس کی یہ شان ہو وہ مومن ہے۔ جو گناہ کبیرہ کرے اُسی وقت مومن سے فاسق ہو جاتا ہے۔ نہ مومن رہتا ہے۔ نہ کافر بنتا ہے۔ اور اگر وہ بے توبہ کیے مرجائے تو ہمیشہ دوزخ مین رہے گا۔

اسی طرح کے اور بہت سے مسائل ہن جن کے تکمیل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک بڑی مجلد کتاب بھی شاید مشکل سے کافی ہو سکے گی۔ امامت و خلافت کے مسئلہ مین دونون باپ بیٹے اہل سنت کے ہم عقیدہ تھے یعنی کہتے کہ خلیفہ کے منتخب کرنے کا اُمت کو اختیار ہے۔ اور خلفاے راشدین کو حسب ترتیب خلافت ایک دوسرے کا افضل مانتے تھے۔ مگر صحابہ یا اولیاء اللہ سے کسی کرامت کے ظاہر ہونے کے کلیتہً مخالف تھے۔ اور انبیاء کے معصوم سمجھنے مین بھی اُنھین حد سے زیادہ غلو تھا۔

کہتے کہ اُن سے صغیرہ اور کبیرہ کسی قسم کا گناہ نہین ہو سکتا۔ یہان تک کہ جبائی کہتا ہے "پیغمبرون سے یہ بھی [illegible] ممکن ہی [illegible] وسے گناہ کا ارادہ بھی کرین"

معتزلہ کے اور فرقے بھی ہین۔ مگر ہم اُن کے بیان سے قلم روک کے یہ بتانا چاہتے ہین کہ اُن کے مقابل اہل حدیث اور ائمۂ ملت کے کیا عقائد اور کیا خیالات تھے۔

اہل حدیث و سنت کہتے کہ اللہ جل شانہ مین علم۔ قدرت۔ ارادے۔ حیات۔ سُننے۔ دیکھنے۔ کلام کرنے۔ جلال۔ اکرام۔ جود۔ انعام۔ عزت اور عظمت کی ازلی صفتین موجود ہین۔ وہ صفات ذات اور صفات فعلی مین بھی تفریق نہین کرتے۔ ان کے ماسوا وہ ذات باری مین اُن صفتون کو بھی تسلیم کرتے ہین جو قرآن و حدیث مین بتائی گئی ہین۔ مثلاً ہاتھ۔ چہرہ۔ اور کھڑا ہونا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ ہم اِن سب صفتون کے ماننے پر مکلف ہین۔ اور ہم پر فرض نہین کہ اُن کی کچھ تفسیر کرین۔ اس لیے کہ ہمین اس کا حکم نہین دیا گیا۔ مگر چونکہ خود خدائے تعالٰے نے فرمایا ہے کہ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" (یعنی اس کے (خدا کے) مثل کوئی شی نہین) لہذا ہمارا اعتقاد ہے کہ اس قسم کی جتنی چیزین خدا نے اپنی جانب منسوب کی ہین وہ ویسی نہین جیسی کہ انسان کے ہاتھ چہرے اور قیام وغیرہ کو دیکھ کر ہم نے اپنے خیال مین سمجھ رکھی ہین۔

چنانچہ امام مالک نے جب کہ فلسفیانہ اوہام و شکوک کی بنیاد پڑنا شروع ہو گئی تھی اِن فلسفی و منطقی مباحث کو سُن کر فرمایا "استواء (خدا کا عرش پہ کھڑا ہونا) معلوم ہے۔ اُس کی حالت و کیفیت مجہول ہے۔ اُس پہ ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس بارے مین سوال کرنا بدعت ہے" حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام مالک سے پیشتر فقہ اکبر مین صاف تحریر فرما دیا کہ "اُس کے (خدا کے) ہاتھ کے بارے مین یہ نہ کہا جاے کہ ہاتھ سے مراد قوت ہے۔ بلکہ اُس کے ہاتھ سے مراد ہاتھ ہے"

مگر عوام جو فلسفیانہ تعلیم اور معتزلہ کے مباحث اور مناظرون سے مغلوب ہو گئے تھے اور روز بروز ہوتے جاتے تھے اُن پر متکلمین کا جادو چلتا جاتا تھا۔ یہان تک کہ خلافت عباسیہ اُن کی طرفدار ہو گئی۔ اور اہل حدیث کو حدیث کی تعلیم دینا اور اپنے عقائد کا ظاہر کرنا دشوار ہو گیا۔

دوسرے عباسی خلیفہ **ابو جعفر منصور** کے عہد سے فلسفہ کی کتابین یونانی زبان سے عربی مین ترجمہ ہونے لگین۔ اور اُن کا اثر عرب کے دینی لٹریچر پہ پڑنا شروع ہو گیا۔ مگر خود منصور کو بنی فاطمہ کے مقابل اپنی امامت کا دعوی ثابت کرنے اور اُن سے لڑنے جھگڑنے مین اتنی فرصت نہ ملی کہ اِن فلسفی بحثون کی طرف توجہ کرے خلیفہ **مہدی** نے فلسفہ کے اثر سے الحاد اور بے دینی کو بڑھتے دیکھا

تو اُس کی روک تھام کی اور ایسے خیالات رکھنے والوں سے بار بار پُرسش کرتا تھا خلیفۂ ہادی کا مختصر زمانہ خاموشی اور بے پروائی مین گزر گیا۔ اور محدثین و فقہا کو بہ آزادی روایت حدیث کرنے اور اپنے دینی عقائد کے ساری دنیاے اسلام میں پھیلانے کا پورا موقع ملتا رہا یہان تک کہ ہرون رشید کا زمانہ آیا جو اس خاندان کا سب سے زیادہ نامور و کامیاب خلیفہ ہے۔ اُس کے زمانے میں اگرچہ بیت الحکمت کا محکمۂ ترجمۂ علوم قائم ہو گیا۔ اور علوم یونانی کی کتابون کے ترجمے ہونے کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ مگر اُس کا دلی رُجحان اہل حدیث ہی کی طرف تھا۔ چنانچہ اپنے بیٹوں امین اور مامون کو امام مالک کی خدمت میں درس روایت حدیث کے لیے بھیجا تاہم فلسفیوں کی صحبت نے اُس کا مذاق ایک حد تک حکیمانہ و فلسفیانہ کر دیا تھا۔

رشید کی وفات پر ۱۹۳ھ مین امین الرشید خلیفہ ہوا۔ وہ اگرچہ کھیل تماشے لہو لعب اور عیش و عشرت میں مصروف تھا۔ مگر عقائد مین کوئی فرق نہین آنے پایا تھا۔ خلق قرآن کا مسئلہ اُس کی زندگی مین پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ اُس کو بُرا سمجھتا تھا۔ چنانچہ اسمٰعیل بن عُلیَّہ کو لوگ اُس کے سامنے لائے تو تعجب سے پوچھنے لگا "تو کہتا ہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے!" اسی بنا پر امام احمد بن حنبل نے اُس کی نسبت فرمایا ہے "مجھے امید ہے کہ خدا اُس کے حال پر رحم

کہہ سکیں۔

امین کے مارے جانے کے بعد ۱۹۸ھ میں مامون رشید پوری دنیائے اسلام کا خلیفہ ہوا تو کچھ تو اس سبب سے کہ اس کی صحبت مین زیادہ تر آزاد خیال فلسفی رہا کرتے تھے۔ اور کچھ اس سبب سے کہ سادی عربی حکمرانی کا مذاق چھوڑ کے وہ ایران کی ساسانی شان و شوکت کا دلدادہ ہو کر بہت مذہب سے ہٹ گیا تھا۔ اور نیز اس سبب سے کہ وقت کے متکلمین اہل سنت میں سے کسی کو اس کے دربار مین جانے کی جرات نہ ہوئی وہ پکا معتزلی ہو گیا چونکہ فلسفۂ یونان اور غیر مذہب الہیات کی قریب قریب تمام کتابین ہارون اور مامون کے حکم سے عربی مین ترجمہ ہوئیں لہذا صحیح معنون مین کہا جا سکتا ہے کہ اعتزال کے پیدا کرنے والے اصلی بانی و مبانی یہی دونون خلیفہ تھے۔ مگر ہارون اس بارے مین ایسا خاموش تھا کہ اُسے کوئی الزام نہین دیا جا سکتا۔ ہان مامون البتہ اس الحاد کے رنگ مین اندر تا باہر رنگ گیا۔ ہارون نے کسی سیاسی مصلحت سے سارے برامکہ کو قتل کرا ڈالا تو اس کی کچھ توجیہ بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر مامون نے جو بڑا صاحب عقل و فراست اور بڑا دادگر و عدالت گستر تھا جوش فلسفیت سے طیش مین آ کر اور بدعتی فرقۂ معتزلہ کے فلسفیانہ الیخولیا مین مبتلا ہو کر اہل سنت اور علمائے حدیث پر جو مظالم کیے وہ کسی طرح قابل معافی نہین ہو سکتے۔ اُس نے اکثر ائمۂ حدیث و فقہ و ادب کی تعلیم نہ ماننے کے بڑے

بڑے کامل ائمۂ دین سے پائی تھی مگر فلسفہ کا اثر اس قدر غالب ہو لیا کہ ۲۱۲ھ میں قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو گیا جو معتزلہ کا اہم ترین عقیدہ تھا۔ اور ۲۱۸ھ میں اُس کو اس عقیدے میں اس قدر انہماک ہوا کہ علانیہ اُس کی تبلیغ دعوت شروع کر دی۔

مملکت روم میں جہاد کو گیا ہوا تھا کہ وہیں سفر میں معتزلی مصاحبوں اور فلسفی علمائے دربار کی صحبت کے اثر سے بیٹھے بیٹھے خدا جانے کیا جنون سر پر سوار ہوا کہ ربیع الاول کے مہینے میں اپنے نائب اسحق بن ابراہیم کے نام بغداد میں حکم بھیجا کہ محدثین و علمائے اہل سنت اور تمام قاضیوں کو بلا کے پوچھو قرآن کو حادث (مخلوق) کہتے ہیں یا قدیم۔ جو حادث کہے اُس کو چھوڑ دو۔ اور جو قدیم بتائے اُس کے جواب سے مجھے آگاہ کرو تاکہ ایسے عقیدہ والوں کے بارے میں مناسب احکام جاری کیے جائیں۔" اس خط میں قرآن کے حادث و مخلوق ہونے کی فلسفیانہ دلیلیں بھی لکھی تھیں تاکہ وہ علمائے وقت کے سامنے پیش کی جائیں۔

اس حکم میں عام علما کے علاوہ سات بزرگوں کی نسبت جن میں محمد بن سعد کاتب واقدی اور یحییٰ بن معین کے پایہ کے ائمۂ دین تھے خصوصیت کے ساتھ تاکید کی گئی تھی کہ یہ لوگ میرے سامنے لا کے پیش کیے جائیں۔ یہ ائمۂ دین اُس کے سامنے گئے تو اُس کے تیور دیکھ کے اُنھیں جان کا خوف ہوا۔ اور سب نے تقیۃً

اقرار کر لیا کہ "قرآن مخلوق ہے"

یہ حضرات جان بر ہو کر بغداد میں واپس آئے تو اسحٰق بن ابراہیم نے اُنھیں اپنے گھر میں اُتارا۔ اور تمام علمائے دین کو اطلاع دی کہ "ان سات نامور محدثین نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیا۔ اب تم کیا کہتے ہو؟" سب کو مجبوراً فرمانِ شاہی کے آگے سر جھکانا پڑا۔ اور اسحٰق نے سب کو چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ مذکورہ سات بزرگوں کی واپسی تک تمام علمائے بغداد حراست میں رکھے گئے تھے۔

اب اسحٰق کے پاس مامون کا دوسرا حکم پہونچا کہ "تمام فقیہوں محدثوں اور نامی عالموں کو اپنے سامنے بُلوا کے آزماؤ کہ عقیدۂ خلق قرآن میں کیا کہتے ہیں"۔ اُس نے تمام اہل علم کو پھر اپنے ہاں جمع کر کے مامون کا خط دوبارہ سنایا۔ پوچھا کہ "آپ لوگ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں یا نہیں؟"

سب سے پہلے اُس نے بشر بن ولید کی طرف متوجہ ہو کے کہا "آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" کہا "میں اپنا عقیدہ دو مرتبہ امیر المومنین کے سامنے ظاہر کر چکا ہوں"۔ اسحٰق "خیر اب تیسری بار پھر سہی۔ وہ تجدید اقرار چاہتے ہیں"۔ بشر نے کہا "میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن خدا کا کلام ہے"۔

اسحٰق "میں یہ نہیں پوچھتا۔ میرا سوال یہ ہے کہ وہ مخلوق ہے یا قدیم"۔

بشر: "خدا سب چیزوں کا خالق ہے"

اسحٰق: "شی میں قرآن بھی داخل ہے؟"

بشر: "ہاں ہے"

اسحٰق: "تو وہ بھی مخلوق ہے؟"

بشر: "وہ خالق نہیں ہے"

اسحٰق: "اوہ! میں یہ نہیں پوچھتا۔ بتائیے قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟"

بشر (عاجز آکر) "میں نے جو کچھ کہا اُس سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں خود امیرالمومنین سے کہہ چکا ہوں کہ اس بارے میں کچھ نہ کہوں گا بجز اس کے میرے پاس اور کوئی جواب نہیں ہے"

آخر اسحٰق نے اُن سے اُن کے عقائد دریافت کرکے اپنے کاتب سے اُن کی ایک مصدّقہ تحریر لکھوالی جس کا مضمون یہ تھا "میں اقرار کرتا ہوں کہ خدائے واحد فرد کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ اور اُس کی ساری مخلوق میں سے کوئی شے کسی معنے و حیثیت سے اُس کے مشابہ نہیں ہے"

اِس کے بعد اسحٰق نے علی بن مقاتل کی طرف رُخ کرکے وہی سوال کیا۔ اُنھوں نے بھی یہی کہا کہ میں اِس مسئلہ میں کئی بار اپنی رائے امیرالمومنین کے سامنے ظاہر کرچکا ہوں۔ اِس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ اسحٰق نے بشر والے اقرار نامے پر اُن سے بھی تصدیق کرائی۔ اور کہا "مگر تو بتائیے کہ قرآن کے بارے میں آپ کیا کہتے

ہیں؟" کہا "قرآن خدا کا کلام ہے۔" اسحٰق نے کہا "میں یہ نہیں پوچھتا۔" کہا "آپ جو پوچھیں اور جتنی دفعہ پوچھیں میرا جواب یہی ہو گا۔ لیکن ہاں اس کے بعد امیر المومنین کا جو حکم ہو گا اُس پر ہم عمل کریں گے۔ اور اُن کے مطیع فرمان رہیں گے۔"

اُن کا یہ جواب قلمبند کرا کے اسحٰق نے ذیال بن ہیثم کی طرف توجہ کی۔ اور اُنھوں نے بھی وہی جواب دیا۔ تب اسحٰق نے ابو حسان زیادی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ کہیے۔" جواب دیا "جو پوچھنا ہو پوچھیے۔" اسحٰق نے وہی بشر والی تحریر سنائی ابو حسان نے اُسکی تصدیق کی اور کہا "جس کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ کافر ہے" اس کے بعد قرآن کے بارے میں سوال ہوا تو وہی کہا جو پہلے بزرگان دین کہہ چکے تھے کہ "قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ مگر امیر المومنین ہمارے امام ہیں جن سے ہمیں سارا علم حاصل ہوا ہے اُن کو اور بھی بہت سی ایسی باتیں پہونچی ہیں جو ہمیں نہیں پہونچیں۔ اور وہ بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہم نہیں جانتے۔ خدا نے اُنھیں ہمارا حاکم بنایا ہے۔ اُن کے دم سے حج اور نماز قائم ہیں۔ اپنی زکوٰۃ کی رقم ہم اُنھیں کو دیتے ہیں۔ اُن کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے ہیں۔ اور اُن کی امامت کے معتقد ہیں۔ لہٰذا وہ جو حکم دیں گے اُس کو ہم بجا لائیں گے۔ اور جس بات سے وہ منع کریں گے اُس سے باز رہیں گے۔ کیا اُن کا حکم ہے

قرآن کو مخلوق نہ مانا جائے؟"

اسحٰق "ان کا حکم نہیں بلکہ قول ہے۔ اور امیرالمومنین کے بہت سے قول ایسے ہیں جو حکم نہیں"

ابو حسان "اگر فقط قول ہے تو ہمارے لیے واجب العمل نہیں ہم تو قرآن کے مخلوق ہونے کا اُس وقت اقرار کرین گے۔ جب امیرالمومنین ہمین ایسا کہنے کا حکم دین گے"

اسحٰق "مجھے اُنھون نے اس مسئلہ کی تبلیغ کا حکم نہیں دیا ہے فقط اتنا حکم ہے کہ آپ لوگون کو بُلا کے اِس بارے مین آپ کا قول دریافت کرون"

اب اُس نے امام احمد بن حنبل کی طرف رُخ کیا اور پوچھا "آپ قرآن کے بارے مین کیا کہتے ہین؟"

امام "وہ خدا کا کلام ہے"

سوال "وہ مخلوق ہے؟"

جواب "مین اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا"

اسحٰق نے وہ تحریر پیش کی۔ اور پوچھا اِس پر آپ کا اتفاق ہے؟" امام نے اُس کو پڑھا۔ اور آخر مین جملہ "اُس کے مثل کوئی شئی نہیں ہے" کے بعد اتنا اور بڑھا دیا کہ "وَھُوَ السَّمِیعُ البَصِیر" یعنی خدا سنتا اور دیکھتا ہے" یہ معتزلہ پر ایک تعریض تھی۔ چنانچہ ایک معتزلی شخص نے جو اُس موقع پر موجود تھا۔ اسحٰق کو اُن کے

مخالف کر دینے کی غرض سے کہا "اِس فقرے سے اِن کی یہ مُراد ہے کہ خُدا کانوں سے سُنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے" یہ اشارہ پاتے ہی اسحٰق نے پوچھا "سُننے اور دیکھنے سے آپ کی کیا مُراد ہے؟" امام نے فرمایا "خدا ویسا ہی ہے جیسا خود اُس نے اپنے آپ کو بتایا" اسحٰق نے دوبارہ اِس کی توضیح چاہی تو امام نے پھر وہی جملہ فرمادیا کہ "وہ ویسا ہی ہے جیسا اُس نے اپنے آپ کو بتایا ہے۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا"

اُس کے بعد اسحٰق نے باقی تمام علما سے ایک ایک کر کے یہی سوال کیا۔ اور سب نے یہی جواب دیا کہ "قرآن خدا کا کلام ہے" اِس سے زیادہ کسی نے نہ کہا۔ بجز چند کمزور طبیعت والوں کے جنھوں نے قبول کر لیا کہ "قرآن مخلوق ہے"

ابن بکاء نام ایک بزرگ نے اپنے اظہار میں کہا "میں اس کو مانتا ہوں کہ قرآن مجعول ہے" اس لیے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ انّا جعلناہ قرآناً عربیاً - اور میں قرآن کے "محدث" ہونے کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے مایاتیھم من ذکر من ربھم محدث" اسحٰق نے پوچھا "اور جو چیز مجعول ہے وہ مخلوق ہے؟" کہا "ہاں" پوچھا تو پھر قرآن بھی مخلوق ہے؟" کہا "یہ تو میں نہ کہوں گا کہ قرآن مخلوق ہے۔ صرف اتنا ہی کہتا رہوں گا کہ قرآن مجعول ہے" اسحٰق

نے اُن کا قول بھی قلمبند کرایا۔ اور ساری کارروائی مامون کے ملاحظہ مین بھیجدی۔

مامون کے پاس سے جواب آیا تو اُس مین اِن سب لوگون کی نسبت بُرا بھلا اور سخت سُست لکھا تھا۔ اور اسحٰق کے نام حکم تھا۔ کہ "بشر بن ولید اور ابراہیم بن مہدی وغیرہ کو بلا کے پوچھو کہ اُن کے نزدیک قرآن مخلوق ہے یا نہین۔ مخلوق بتائین تو خیر ورنہ اِن سب کو پا بزنجیر حراست مین میرے پاس یہان پڑاؤ مین بھیج دو"۔ اسی طرح دیگر ائمۂ حدیث کی نسبت بھی حکم تھا۔

اب اسحٰق نے پھر تمام علما کو جمع کرکے مامون کا یہ خط سُنایا۔ اُس کو سُنتے ہی اُن پر ایسا خوف طاری ہوا کہ سب نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیا۔ بجز چار بزرگان دین کے جو اُس زمانے مین سب سے بڑے ائمۂ علم و فضل مانے جاتے تھے اول امام احمد بن حنبل۔ دوسرے سجادہ۔ تیسرے قواریری۔ اور چوتھے محمد بن نوح۔ چارون طوق و سلاسل مین جکڑ کے قیدخانے مین بھیجدیے گئے۔ دوسرے دن اسحٰق نے پھر اپنے سامنے بلوا کے اُن سے قرآن کے مخلوق ہونے کا سوال کیا تو دو یعنی سجادہ اور قواریری نے ہمت ہار کے قبول کر لیا۔ مگر احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے اُسی قول پر قائم رہے۔ اور اُسی وقت یہ دونون فوجی حراست مین طرسوس کی طرف روانہ کر دیے گئے جہان مسلمان

مجاہدین روم کا پڑاؤ تھا۔ لیجانے والے سردار کو اسحٰق نے حکم دیا کہ امیرالمومنین جب تک روم کے میدان جنگ سے واپس آئیں یہ لوگ طرسوس ہی میں اسیر و پابند زنجیر رکھے جائیں"

ان دونوں کے ساتھ نو اور علما بھی اسی طرح گرفتار کر کے بھیجے گئے تھے۔ یہ مقدس اسیران ستم شہر رقہ ہی تک پہونچنے پائے تھے کہ یکایک خبر آئی "مامون نے سرزمین روم میں بیمار ہو کے ناگہان وفات پائی۔ اور اُس کا بھائی المعتصم باللہ خلیفہ ہوا"

معتصم ایک بے پڑھا جاہل خلیفہ تھا۔ مزاج میں رعونت تھی مامون کا پیرو تھا۔ اور اُس کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ دربار آزاد خیال فلسفیوں خصوصاً معتزلیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جن کی صحبت نے اُن خیالات کو جو مامون کی تقلید میں دل کے اندر جاگزین ہو گئے تھے اور راسخ کر دیا۔ اِس کے ساتھ اِس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ وہ عربیت سے منحرف اور عجمیت کیطرف مائل تھا۔ عربوں کو اُن کی حالت میں چھوڑ کر اُس نے ترکوں اور عجمیوں کا ایک بڑا بھاری لشکر خوبصورت ترکی غلاموں کو منگوا منگوا کے اپنے جلو میں مقرر کیا تھا جو پیش پیش تھے۔ اور اُنھیں پر خلیفہ کی نظر عنایت تھی۔ اور یہی بنیاد اہل عرب کے بعد ترکوں کے ذی اقتدار اور برسر حکومت ہونے کی ہوئی۔

وہ ۲۱۸ھ میں مسند نشین خلافت ہوا تھا۔ ۲۱۹ھ میں عاموریہ رہا اور ۲۲۰ھ میں اُسے اُن مظلوم مقدس اسیروں کی طرف توجہ

جو قرآن مجید کو مخلوق نہ کہنے کے جرم مین اُٹھا کے رقہ کے قید خانے
مین ڈال دیے گئے تھے۔ جب اُس کے سامنے لائے گئے اور اُس نے
دھمکایا کہ "قرآن کو مخلوق کہو ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔" اور
سبھون نے تو جان کے خوف سے تقیۃً قبول کر لیا۔ مگر امام احمد بن حنبل
کی ایمانی قوت نے اِس کو کسی طرح گوارا نہ کیا انکار کیا اور کمال بے رحمی
سے حکم ہوا کہ وہ کوڑون سے پیٹے جائین۔ کوڑے پڑتے تھے
مگر وہ قول حق سے نہ ہٹتے تھے۔ آخر پٹتے پٹتے کھال ادھڑ گئی غش
کھا کے گر پڑے۔ اور عالم بے ہوشی مین لوگون نے پھر قید خانے
کے اندر لا کے ڈال دیا۔ اور نہین معلوم کہ کتنے دنون اس آزمائش
مین مبتلا رہے۔

اس واقعے کے بعد معتصم برابر عقائد معتزلہ اور مسئلۂ خلق قرآن
کی جبریہ تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔ علماے دین نے اُس کے ہاتھ
سے سخت مصیبتین اُٹھائین۔ چنانچہ اسی فتنۂ خلق قرآن مین اُس
کے ہاتھ سے اہل علم کی ایک خلقت عظیم قتل ہو گئی۔ اور تمام
ممالک مین اُس نے احکام جاری کر دیے کہ "مدارس و مکاتب
مین طلبہ اور لڑکون کو لازمی طور پر عقیدۂ خلق قرآن کی تعلیم
دی جایا کرے"۔

۲۲۷ھ مین معتصم نے دنیا چھوڑی اور اُس کا بیٹا الواثق
خلیفہ ہوا۔ یہ بھی باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ ۲۳۱ھ مین اُس نے

امیر بصرہ کے نام حکم جاری کیا کہ "امامون اور ... ان سے دریافت
کرو کہ مسئلہ خلق قرآن مین کیا کہتے ہین" غرض ... مسند نشینی مین وہ
باپ کی طرح بڑا سخت معتزلی اور عقائد اعتزال کا بڑا ... حامی
تھا۔ مسئلہ خلق قرآن کا بہت بڑا داعی رہا۔ اور اس کوشش مین خلفاے
سابق سے زیادہ سخت تھا۔

اس کی شدت اور سختی اس قدر بڑھ گئی ہوئی تھی کہ اسی نے
سنہ ۲۳۱ھ مین اس نے زمانے کے نامور اور مستند امام حدیث
احمد بن نصر خزاعی کو بیرون مین بیڑیان ڈلوا کے بغداد سے سُرمن
رای مین بلوایا۔ اور سامنا ہوتے ہی پوچھا "بتاؤ قرآن مخلوق ہے
یا نہین؟" انھون نے نہایت جرأت و استقلال سے جواب دیا "نہین"
پوچھا "کیا خدا قیامت کے دن دکھائی جائے گا؟" کہا "ہان۔
حدیث مین یونہین آیا ہے۔" واثق نے طیش مین آکے کہا "تم جھوٹے
ہو۔" جواب مین بے اختیار ان کی زبان سے بھی یہی نکل گیا کہ
"آپ خود جھوٹے ہین۔" واثق بولا "کمبخت۔ کیا مجسم چیزون کی طرح
خدا بھی دکھائی جائے گا؟ یہ عقیدہ تو کفر ہے۔" یہ کہتے ہی فقہاے
معتزلہ کی طرف دیکھ کے جو دربار مین کھڑے تھے۔ پوچھا "ایسا عقیدہ
رکھنے والے کے بارے مین شرع کا کیا حکم ہے؟" انھون نے کہا
"واجب القتل ہے۔" یہ سنتے ہی تلوار منگوائے میان سے نکالی
اور کہا "اس کافر کو مین اپنے ہاتھ سے قتل کرون گا تاکہ یہ کار

خیر میرے گناہون کا کفارہ ہو جائے۔" ساتھ ہی لنطع (چمڑے وہ فرش جس پہ لوگون کو قتل کیا کرتے تاکہ خون سے زمین خراب نہ ہو) بچھوادیا گیا۔ امام احمد بن نصر اُس پہ گھسیٹ کے لائے گئے۔ جو سر سے پاؤن تک زنجیرون مین جکڑے ہوئے تھے۔ اور اُن پہ اُس نے تلوار کے وار کرنا شروع کر دیے۔ یہان تک کہ زخمی ہوکے گرے اور جوار رحمت الٰہی مین پہنچ گئے۔ قتل کرنے کے بعد اُن کے سر کو بدن سے جدا کر کے دھڑ تو سُر من رای مین مصلوب کر دیا گیا۔ اور سر بغداد مین بھیج کر ایک بلند مقام مین لٹکا دیا گیا۔ اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ اگر کبھی اُس کا رُخ قبلے کی طرف ہو جائے تو نیزے سے پھیر کے دوسری طرف کر دیا جائے۔ اس سوا اِس کے اُن مجروح شہید کا کان چھید کے اُس مین ایک رقعہ بندھوا دیا گیا جس مین لکھا تھا۔ یہ سر احمد بن نصر کا ہے جس سے امام عبد اللہ ہرون بن معتصم (واثق) نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار اور تشبیہ باری تعالٰے سے انکار کرانا چاہا۔ مگر اُس نے نہ مانا۔ اور ضد کی لہذا خدائے تعالٰے نے فوراً اُسے دوزخ مین پہونچا دیا۔ اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ سر اگر کبھی قبلہ رُخ ہو جائے تو نیزے سے پھرا کے دوسری طرف کر دیا جائے۔"

یہ حالت تھی اِن معتزلی خلفا کے متعصبانہ ظلم کی! ابن ابی داؤد معتزلہ مین سب سے زیادہ ممتاز و سربرآوردہ

تھا- اور وہی وہ فقیہ و عالم تھا جو دربار خلافت پر حاوی تھا-
خلیفہ ہر چیز اور ہر معاملے کو اُسی کی نگاہ سے دیکھتا- اُس کے
تعصب کی یہ حالت تھی کہ اتفاقاً ۲۳۱ھ ہی مین رومی سلطنت
کی رعایا مین سے جو لوگ گرفتار ہو کے آئے اُن مین ایک ہزار
چھ سو مسلمان بھی تھے- اُن کو دیکھتے ہی ابن ابی داؤد نے حکم
کیا کہ اِن مین سے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرے وہ
چھوڑ دیا جائے- اور جو اِس کو نہ قبول کرے جب تک انکار کرتا
ہے قیدخانے مین پڑا رہے"

خطیب بغدادی بھی کہتے ہین کہ واثق مسئلۂ خلق قرآن مین
نہایت متشدد تھا- لوگون کو اس عقیدے کے ماننے پر مجبور کرتا-
اور جو اُس کے قبول کرنے سے انکار کرتا اُس پر سختیان کرتا-

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ واثق کو اپنے آخر عہد مین ایک
ایسا واقعہ پیش آیا جس نے یکایک اُسے مسئلۂ خلق قرآن کی تبلیغ
اور اُس کے لیے لوگون پر جبر و ستم کرنے سے روک دیا-

اور ہوا یہ کہ ایک صاحب علم مسلمان اِسی قرآن کو غیر مخلوق
بتانے کے جرم مین اپنے وطن سے اسیر کر کے واثق کے سامنے لایا
گیا- جو ہتھکڑیان اور بیڑیان پہنے اور طوق و سلاسل مین جکڑا
ہوا تھا- ابن ابی داؤد بھی اُس وقت دربار مین موجود تھا
قیدی نے بجائے واثق کے اُس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا

یہ مسئلہ خلق قرآن جس کی طرف آپ لوگون کو بلاتے ہین کیا اس کی تعلیم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی؟" ابن ابی داؤد نے بے پروائی کی شان سے کہا "ہان آپ ہی نے اس کی تعلیم فرمائی ہے" اسیر نے کہا "مگر باوجود تعلیم دینے کے حضرت رسالتمآب نے اس کو گوارا فرما لیا تھا کہ جو نہ مانین وہ مجبور نہ کیے جائین۔ مگر افسوس آپ لوگ اس کو گوارا نہین کرتے۔" اسیر کے یہ الفاظ سنکر تمام اہل دربار ایک سناٹے مین آ گئے اور واثق کو ایسی بیتابی کی ہنسی آئی کہ منہ بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ محل مین جا کے خوب ہنس لیا تو بار بار یہ کلمات اس کی زبان پر تھے "رسول اللہ صلعم نے تو اس مسئلہ مین خاموشی گوارا کر لی۔ مگر تم نہین گوارا کرتے۔" تھوڑی دیر کے بعد اس اسیر کو بلوا کے سو دینار انعام دیے۔ اور آزاد کر کے اس کے وطن بھجوا دیا۔ اور پھر کبھی اس کے بعد اس نے اس معاملے مین کسی پر سختی نہین کی۔ اسی گھڑی سے ابن ابی داؤد اس کی نظر سے گر گیا۔ اور مورخین لکھتے ہین کہ یہ قیدی جس کی بدولت مسئلہ خلق قرآن کا فتنہ دور ہوا۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد ازدی تھے جو امام ابو داؤد اور امام نسائی کے استاد تھے۔ مگر اس گوارائی کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ سنہ ۲۳۲ھ مین الواثق دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اب اس کا جانشین المتوکل علی اللہ ہوا۔ اسے

اہل سنت اور محدثین کے مسلک کی طرف رغبت تھی۔ اور اہل حدیث کا بڑا حامی و مددگار تھا۔ ۲۳۴ھ مین اطراف عالم مین احکام جاری ہو گئے کہ اب کسی کو قرآن کے مخلوق ماننے کی ضرورت نہین ہے۔ محدثین کو سُرّمن رأی مین اپنے سامنے بلوا کے انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ اور اُنھین حکم کیا کہ "معتزلہ کے خلاف صفات باری تعالے کی حدیثین روایت کیا کرین"

اِسی وقت سے امام حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ صاحب مسند جامع رصافہ (واقع بغداد) مین بیٹھ کر درس حدیث دینے لگے۔ جن کے حلقۂ درس مین تیس ہزار طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ اور اُن کے بھائی عثمان نے بغداد کی ایک دوسری مسجد جامع منصور مین روایت حدیث شروع کی تو اُن کے گرد بھی اتنے ہی طلبہ جمع رہا کرتے۔ لوگ متوکل سے اِس قدر خوش ہوے کہ ہر جگہ اُس کے لیے ترقی عمر و دولت کی دعائین کی جانے لگین۔ اور لوگون نے اُس کی تعریف مین اِس قدر مبالغہ کیا کہ ہر شخص کی زبان پہ تھا "خلیفہ تو بس تین ہوے ہین۔ ایک ابوبکر صدیق جنھون نے مرتدون کا استیصال کیا۔ دوسرے عمر بن عبدالعزیز جنھون نے بنی اُمیہ کے مظالم دُور کیے۔ اور تیسرے المتوکل علی اللہ جنھون نے حدیث وسنت کو زندہ کر دیا۔ اور اعتزال کو مٹایا"

اُسی نے امام احمد بن حنبل کو (غالباً قید خانے سے)

بلوایا۔ وہ ہوئے۔ مگر خدا جانے کیا اسباب پیش آئے کہ اُس سے
نہین مگر اُس کے بیٹے المعتز سے ملے۔ اور شاید اسی وقت سے
وہ آزاد ہو گئے۔

متوکل نے فقہ مین امام شافعی کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔
اور افسوس کیا کرتا تھا کہ "افسوس امین نے امام شافعی کا زمانہ
نہ پایا ورنہ اُن کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرتا۔ اور علم
حاصل کرتا۔"

مگر بڑی خرابی یہ تھی کہ متوکل کو اپنے آبا و اجداد سابق
خلفاے آل عباس اور اُس وقت کے تمام اہل سنت فقہا و محدثین
کے خلاف حضرت فاطمہ زہرا اور جناب علی مرتضی کے خاندان سے
عداوت تھی۔ اِس قسم کے جگر خراش واقعات اس کی صحبت مین
پیش آیا کرتے تھے اُن کے علاوہ اُس نے سب سے بڑی ناصبیت
یہ ظاہر کی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تُربت پاک اور اُس
کے متعلقہ یا آس پاس کے تمام مکانون کو کُھدوا کے میدان کر دیا۔
اُس مین ہل چلا دیا۔ اور لوگون کو کربلا کی زیارت سے قطعاً روک
دیا۔ یہ امر سارے مسلمانون کو گران گزرا۔ مگر باوجود اس کے
نہ کسی عالم نے اُس کے خلاف سر اٹھایا نہ کسی اور اعلی یا ادنے شخص نے
بلکہ اعتزال سے تائب ہونے کی بنا پر ہر طرف اُس کی تعریفین ہی
ہوتی رہین۔ اور اُس کی مدح مین شعرا و علما نے قصیدے کہے۔

متوکل کے بعد سے عباسی خلفا مذہب اہل سنت کے پیرو رہے۔ لیکن اب خلافت اتنی کمزور پڑ گئی تھی کہ بجز نمائشی کروفر کے نہ دنیاوی حکومت ہی اُس کے قبضہ مین تھی اور نہ مذہب مین اُس کا کچھ اثر باقی تھا۔ اعتزال کو اُس نے رواج تو دیدیا۔ مگر اب اُس مین اتنی طاقت نہ تھی کہ اعتزال کو مٹا کے لوگون کو عقائد اہل سنت کا پابند بنائے۔

اگرچہ اہل فقہ و حدیث کو علانیہ درس دینے۔ مخالفین کی تردید کرنے۔ اور اپنے عقائد کی تعلیم دینے کی آزادی حاصل تھی۔ مگر دنیاے اسلام کی حالت گذشتہ خلفا کی حکومت نے یہ کردی تھی کہ اصولی فروعی سیاسی اور ہر طرح کے معاملات مین اختلاف پڑا ہوا تھا۔ مختلف مذہبی و سیاسی گروہ آپس مین لڑتے اور عوام الناس کو بہکاتے پھرتے تھے

سب سے زیادہ ذی اثر فلسفیانہ اور حکیمانہ شان رکھنے والے علماے معتزلہ تھے جن کی درسگاہین اب بھی رونق پر تھین۔ اکثر والی اور قاضی معتزلی تھے۔ جو دعوے کرتے کہ اہل سنت ہماری دلیلون کے آگے ٹھہر ہی نہین سکتے۔ وہ جاہل ناقلین اخبار ہین۔ مگر اُن کے سمجھنے کی عقل نہین رکھتے۔ اُنھین کے ساتھ ساتھ جہمیہ یعنی جہم بن صفوان کے پیرو تھے جنھون نے اپنی جماعت الگ قائم کر رکھی تھی۔ اور اصولی مسائل مین معتزلہ کے ہمنوا و ہمزبان تھے۔

اُن کے ضد اور مقابل **حشویہ**۔ **مجسمہ** اور **نجاریہ** فرقے تھے جو خدا کو قریب قریب جسمانی بتاتے۔ اُس کی تمام باتون کو انسانی حالات و صفات کے مشابہ کہتے۔ **مرجیہ** تھے جو کہتے کہ ایمان لانے کے بعد نجات مین پھر کسی عمل کو دخل نہین۔ اُن کے مقابل **خوارج** اور **معتزلہ** دونون قریب قریب متحد الخیال تھے کہ ہر گناہ کبیرہ کے مُرتکب کو ایمان سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ بلکہ وہ مخلد فی النار ہے یعنی ہمیشہ دوزخ مین پڑا رہے گا۔

اِدھر **سیاسی فرقون** مین سے **خوارج** تھے جو حضرات عثمان۔ علی۔ عائشہ۔ طلحہ اور زبیر وغیرہ اکابر صحابہ و اہل بیت سب کو کافر مطلق بتاتے۔ اُن کے مقابل **شیعون** کے بیسیون مختلف الخیال گروہ تھے۔ شیعۂ **زیدیہ** تھے۔ شیعہ امامیہ تھے۔ شیعۂ **اسماعیلیہ** تھے شیعۂ **کیسانیہ** تھے۔ اور وہ شیعہ تھے جو ائمۂ اثنا عشر مین سے ہر ایک کے ہر فرزند کی امامت کی دعوت کرتے پھرتے تھے۔ ان سب کے مقابل **شیعیان عثمان** یعنی طرفداران بنی اُمیہ تھے۔ اور ہسپانیہ مین اُن کی مستقل خلافت قائم ہو گئی تھی۔ چند ہی روز بعد سارے شمالی افریقہ مین بنی فاطمہ کی اسماعیلی خلافت قائم ہو گئی۔ اُن کے مقابل شیعۂ امیہ کے حامی فرمان روایان دیلم تھے۔ اور اِس سے بھی زیادہ قیامت یہ تھی کہ اسماعیلیون کے داعی و نقیب تقیہ کر کے چپکے ہی چپکے ساری دنیائے اسلام مین خلفائے بنی فاطمۂ مصر کی دعوت کرتے۔ اور لوگون کو بہکاتے پھرتے تھے۔ پھر اسلام

کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ **قرامطہ** کا نیا خون آشام گروہ پیدا ہو گیا جس نے مشرقی عرب عمان۔ بحرین و یمامہ مین اپنا قدم جما لیا تھا۔ اور عراق کے ہر شہر مین ہل چل ڈال رکھی تھی۔ بلاد شام و فلسطین تک مین اُن کے مظالم سے خون کی ندیان بہ گئین۔ یہان تک کہ حرمین پر قبضہ کر کے اُن کے سردار نے حجر اسود کو ایک گرز مار کے پاش پاش کر دیا۔ اور اُس کے ٹکڑون کو مشرقی عرب مین اُٹھا لے گیا۔ اور بیس پچیس سال تک کعبہ اس متبرک ابراہیمی امانت سے محروم رہا۔ خوارج الگ لوٹتے مارتے پھرتے تھے۔ ادھر **باطنیون** کا گروہ قائم ہو گیا جس نے خراسان سے لے کر شام تک تمام پہاڑون پر قبضہ کر کے اپنے قلعے بنا لیے۔ اور اُن کے فدائی ہر طرف خنجر باندھے پھرتے کہ جس بادشاہ جس وزیر۔ جس سردار۔ اور جس عالم کی نسبت اشارہ ہو اُس کے پاس پہونچین۔ فریب سے اُس کے دوست یا خادم بنین۔ اور موقع پاتے ہی اُس کا کام تمام کر دین۔

ایسی حالت مین خداوند تعالیٰ نے اہل سنت اور فقہا و محدثین کی مدد کے لیے **امام ابوالحسن علی بن اسماعیل ابوبشر اشعری** کو اُٹھا کے کھڑا کر دیا۔ وہ صحابی رسول اللہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی نسل مین تھے۔ اور سلسلۂ نسب نوین پشت پر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تک پہونچتا تھا۔ ۲۷۰ھ مین پیدا ہوے تھے۔ اور تعلیم زبدۂ دستہ امام معتزلہ جُبّائی کی درس گاہ مین پائی تھی۔ جس کی صحبت مین چالیس

کی عمر تک مسلک معتزلہ کے پابند رہے۔ جبائی معتزلہ کا بہت بڑا مصنف تھا اور ابوالحسن اُس کے شاگردون مین سب سے بڑے فصیح و طلیق اللسان بحث کرنیوالے۔ جہان اہل سُنت کا مجمع سُنتے جا پہونچتے اور بحث چھیڑ دیتے اُن کے مناظرے نے علماے فقہ و حدیث کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ مگر باوجود ایسی قوت مناظرہ کے اُنھون نے اِس وقت تک کوئی کتاب نہین تصنیف کی تھی۔ بلکہ تصنیف و تالیف مین بہت کمزور خیال کیے جاتے مگر فصیح البیان مقرر اور مناظر اتنے بڑے تھے کہ لوگون مین مشہور تھا کہ وہ گویا ہین اتنا ہی اُن کا استاد جبائی [illegible] اور بحث و مباحثہ مین کمزور واقع ہوا ہے۔ چنانچہ جب کہین مناظرے کی ضرورت پیش آتی تو جبائی اُنھین کو اپنی طرف سے بھیج دیا کرتا۔

غرض ابوالحسن اشعری یونہین اہل حدیث کے لیے ایک مصیبت اور اہل سنت کے حق مین ایک آفت بنے ہوے تھے کہ ایک سال ماہ مبارک رمضان کے عشرۂ اول مین ایک رات کو حضرت رسول خدا صلعم کی زیارت ہوئی۔ اور حضور سرور عالم صلعم نے فرمایا کہ "ابوالحسن جو مسائل حدیث مجھ سے مروی ہین اُن کی تائید کرو۔ اسلیے کہ وہی برحق ہین" آنکھ کھلی تو سخت اُلجھن اور پریشانی تھی۔ دل مین کہتے "محدثین اور راویان حدیث [illegible] مسائل کے خلاف جو دلیلین میرے دل مین بسی ہوئی ہین اُن کو کیونکر دل سے نکالون"

اسی پریشانی مین رمضان کا پہلا عشرہ گزر [illegible] دوسرا عشرہ

شروع ہو گیا۔ اور فرماتے ہین مین پھر ایک رات جناب رسالت علیہ السلام کی زیارت سے شرفیاب ہوا۔ اور حضور نے میری صورت دیکھتے ہی فرمایا "مین نے جو کہا تھا اُس مین تم نے کیا کیا؟" حضرت اشعری کہتے ہین مین نے جُرأت کر کے عرض کیا "یارسول اللہ مین نے احادیث مرویہ کا مطالعہ کیا۔ اور علم کلام کی رُو سے جہان تک گنجائش پائی اُن کو اختیار کیا" ارشاد ہوا "احادیث مرویہ کی تائید کرو۔ وہی برحق ہین" اور ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ اور مین نہایت ہی ملول و حزین تھا۔ نہ کوئی بات سمجھ مین آتی تھی اور نہ کچھ بن پڑتا تھا۔ آخر مین نے دل مین ٹھان لی کہ علم کلام کو ترک کر دون۔ اور حدیثون پر عقیدہ جما دُون۔ چنانچہ اب مین رات دِن کلام اللہ اور کتب حدیث ہی کا مطالعہ کیا کرتا۔

اُسی حال مین رمضان کا دوسرا عشرہ گزر کے تیسرا بھی ختم ہونے کے قریب آ گیا تھا کہ رمضان کی ۲۷ آ گئی۔ یہ شب قدر کی رات مانی جاتی ہے۔ اور معمول تھا کہ لوگ مسجدون مین جمع ہو کر ساری رات نماز و عبادت مین بسر کرتے۔ مین بھی مسجد مین اِسی ارادے سے گیا۔ لیکن یکایک نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ گر گر پڑتا تھا جب کسی طرح چین نہ پڑا تو اپنی بدقسمتی پر افسوس کرتا ہوا گھر مین آیا۔ اور آتے ہی پڑ گیا۔ لیٹنا تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ اور پھر جلوۂ جمال محمدی صلعم نظر کے سامنے تھا۔ اور آپ پوچھ رہے تھے "جس بارے مین مین نے

کہا تھا تم نے کیا کیا؟" میں نے عرض کیا " یا رسول اللہ! میں نے کلام کو ترک کر دیا۔ اور قرآن و حدیث کے مطالعے میں محو رہتا ہوں "
ارشاد ہوا " میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا۔ میرا حکم تو یہ تھا کہ مسائل مرویۂ حدیث کی تائید کرو۔ کیونکہ وہی برحق ہیں " اب کی میں نے جی کڑا کر کے عرض کیا " یا رسول اللہ! محض ایک خواب کی بنا پر اُس مذہب کو کیسے چھوڑ دوں جس کے مسائل سینے میں بسے ہوئے ہیں؟ اور جس کی دلیلیں تیس سال سے دل پر نقش ہیں؟" ارشاد فرمایا " اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ خود خدائے تعالےٰ اس بارے میں تمھاری ہدایت و مدد کرے گا تو جب تک ہر مسئلہ کے علل و اسباب تمھارے ذہن نشین نہ کر دیتا میں تمھارے پاس سے نہ ہٹتا۔ اور تم اِسے محض خواب سمجھتے ہو اگر یہ میرا تمھارے پاس آنا فقط خواب نہیں ہے۔ اب اس کے بعد تم مجھے نہ دیکھو گے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اِس حکم پر عمل کرو۔ اور کوشش سے کام لو۔ من جانب اللہ تمھاری مدد اور اعانت ہوگی "

اب جو آنکھ کھُلی تو میری کچھ اور ہی حالت تھی۔ دل میں کہا " بس اب حق کے خلاف بجز گمراہی کے کچھ نہیں۔ اور اُسی گھڑی سے میں حدیثوں اور مسلک اہل سنّت کی تائید میں غور کرنے لگا۔ اور خدا کی قسم میرے خیال میں خود بخود نئی دلیلیں اور توجیہیں پیدا ہو جاتیں۔ جو نہ کبھی پیشتر میرے وہم میں گزری تھیں۔ نہ اُن کو

کسی کتاب مین پڑھا تھا۔ اور نہ کسی مخاصم نے بحث مین وہ میرے سامنے پیش کی تھین۔ اس حالت سے مجھے یقین کامل ہو گیا کہ یہ تائید غیبی کے سوا کچھ نہین ہے۔

سچ پوچھیے تو یہ حضرت رسالت صلعم کا ایک ابدالآباد تک زندہ رہنے والا معجزہ تھا کہ ایک ایسے شخص کو جو کل تک یکا معتزلی تھا۔ اہل سنّت کے علما و محدثین کو ہر صحبت مین زک دے کر عاجز کر دیا کرتا تھا۔ جس کے لوح دل پر ملحدانہ مسائل کی دلیلین نقش تھین۔ جن کا اُس کے اعتقاد مین کچھ جواب نہ تھا۔ وہی آج ایک شب مین ایسا پکّا پابند سُنّت ہو گیا کہ معتزلہ اور شیعون اور تمام نئے فرقون کے عالمون کو زک دیتا اور قائل و معقول کرتا پھرتا ہے۔ مخالفین حدیث و سُنّت کے بڑے بڑے دعوے کرنے والے مباحثون اور مناظرون کی زبانین اُس کے سامنے بند ہین۔ اور اُس سے مُنہ چھپاتے اور بھاگتے پھرتے ہین۔

حضرت ابو الحسن اشعری نے اپنے اس نئے مسلک کا آغاز یون کیا کہ مذکورہ خوابون کی وجہ سے رمضان کے مہینے مین گھر مین خاموش بیٹھے فکر اور غور کرتے رہے اور اگرچہ کبھی کوئی کتاب نہین تصنیف کی تھی مگر اپنے اُن الہامی مسائل و مباحث کو چپکے چپکے رسالون مین قلمبند کر لیا۔ اور یکایک ایک جمعہ کو تیار ہو کر مسجد مین آئے۔ اُن کا اُستاد جُبّائی اپنے صدہا طلبہ کے

حلقے مین بیٹھا درس دے رہا تھا کہ اُس کے سامنے جا کے بیٹھ گئے اور پوچھا یا شیخ۔ ایسے تین شخصون کے معاد کے متعلق آپ کیا فرماتے ہین۔ جن مین سے ایک مومن ہے۔ ایک کافر ہے۔ اور ایک نابالغ بچہ ہے۔" جبّائی نے اپنے عقیدے کے مطابق جواب دیا "مومن جنت مین درجہ پائے گا۔ کافر دوزخ مین جائے گا اور نابالغ اس تیسرے عالم مین رہے گا جو جنّت و دوزخ کے درمیان ہے" اشعری نے کہا "اور اگر وہ نابالغ خدا سے کہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ مجھے بچپن مین مار ڈالا۔ مین بڑا ہو کے مومن صالح بنتا۔ نیک کام کرتا۔ اور جنت کا مستحق ہوتا۔ تیرے مار ڈالنے کے باعث مین اس درجۂ اعلیٰ اور اِن نعمتون سے محروم رہ گیا تو اس کا خدا کیا جواب دے گا؟" جبّائی بولا "خدا کہے گا مین جانتا تھا کہ تو بڑا ہو کر کافر ہو گا۔ اسی مشیبت سے بچانے کے لیے مین نے تجھے بچپن مین مار ڈالا۔" ابوالحسن نے کہا "اور اگر وہ کافر کہے کہ خداوندا تجھے میرے کافر ہونے کا بھی علم تھا۔ پھر تُو نے مجھ کو بچپن مین کیون نہ مار ڈالا کہ عذاب دوزخ سے محفوظ رہتا؟ تو بتائیے خدا اُس کو کیا جواب دے گا؟" اب جبّائی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لاطائل توجیہین کرنے لگا۔ اور ابوالحسن اشعری بولے "بس رہنے دیجیے۔ اِن توجیہون سے کام نہ چلے گا۔ اس لیے کہ آپ کی دلیلون کا گدھا دلدل مین

کہتے ہوئے سوا ہے

یہ کہتے ہی حضرت ابوالحسن اشعری جبّائی کے حلقے سے
اٹھ کر مسجد کے منبر پر جا کھڑے ہوے۔ اور آواز دی کہ یا معاشر المسلمین!
فوراً تمام لوگ جو مختلف حلقون مین بیٹھے تھے آ کر سامنے جمع ہو گئے۔ (۱)
آپ نے فرمایا۔ حضرات۔ آپ مین جو حضرات مجھے پہچانتے ہون وہ تو
جانتے ہی ہین۔ مگر جو نہین پہچانتے اُنھین بھی مین بتاتا ہون کہ مین
ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری ہون۔ مین قرآن کے مخلوق ہونے کا
قائل تھا۔ رویت باری تعالےٰ سے منکر تھا۔ اور خیر و شر دونون کو
بجاے خدا کے اپنی طرف منسوب کرتا تھا۔ مگر آج مین اِن عقیدون
سے توبہ اور معتزلہ کے دعوون کی تردید کرتا ہون۔ اُن کی لغزشون
کو ظاہر کرتا اور اُن کے عیبون کو کھولتا ہون" پھر فرمایا "لوگو مین گذشتہ
چند روز آپ حضرات کے سامنے نہین آیا۔ اور گھر مین بیٹھا رہا۔ اس کا
باعث یہ تھا کہ مین مختلف اعتقادی و اصولی مسائل مین غور و خوض
کر رہا تھا۔ اور کسی طرح حق و باطل مین امتیاز نہ کر سکا۔ آخر خدا سے
ہدایت کی التجا کی۔ اور اُس نے اپنی عنایت سے مجھ پر حق کو منکشف و آشکار
کر دیا۔ اُن ہدایات کو مین نے اپنے اِن رسالون مین قلمبند کر دیا ہے جن کو
آپ کے سامنے پیش کر کے اپنے تمام گذشتہ اعتقادات سے توبہ کرتا ہون
اور آج اپنے اُن عقائد سے اسی طرح جدا ہوتا ہون جس طرح اپنے اس
کُرتے سے الگ ہوتا ہون" یہ کہتے ہی کُرتا اُتار کے دور پھینک دیا۔ اور

وہ رسالے لوگون کے ہاتھ مین دے دیے اُنھین مین اُن کی ایک کتاب ”لمع“ (یعنی کتاب انوار) تھی اور دوسرا رسالہ ”کشف الاسرار وہتک الاستار“ تھا جس مین معتزلہ کی شرمناک غلطیان دکھائی ہین۔ حضرات سامعین اِس موقع پر آپ ذرا پہلے معتزلی واصل بن عطا کے حضرت حسن بصری کی صحبت سے جُدا ہونے کو یاد فرمائین جس نے اعتزال کا مسلک ایجاد کر کے اِس ملحدانہ گروہ اور اُس کے اسلام کُش علم کلام کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اُس کے بعد آج امام ابوالحسن اشعری کے اپنے معتزلی اُستاد جُبّائی کے حلقۂ درس سے جُدا ہونے کی تصویر پیش نظر کرین۔ جس نے ایک ہی گھڑی کے اندر دُنیا کا رُخ پلٹ دیا۔ اور فرقۂ معتزلہ کی تردید شروع کی تو چند روز مین اُسے دُنیا سے فنا ہی کر کے چھوڑا۔

حضرت ابوالحسن اشعری کی اُن کتابون کے شائع ہوتے ہی معتزلہ مین سناٹا نہین ایک تہلکہ پڑ گیا۔ ادھر اہل سُنّت نے اُن کتابون سے سبق لیا۔ اُن پر بھروسہ کیا۔ اور ابوالحسن اشعری کو اپنا امام دین تسلیم کر لیا۔ یہان تک کہ اہل سُنّت اُنھین کے جانب منسوب ہو کر ”اشعری“ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

اِس سے پیشتر معتزلہ کہتے پھرتے تھے کہ علماے حدیث و فقہ ہمارے سامنے مُنھ نہین کھول سکتے۔ اور ہماری بحثون سے عاجز و لاجواب ہین۔ مشہور کرتے کہ امام احمد بن حنبل ہمارے مقابلے

مین قائل ہوگئے۔ اور کچھ نہ کہہ سکے۔ مگر اب امام ابو الحسن اشعری حدیث و قرآن کی حمایت مین جو اُٹھ کھڑے ہوے تو اُنھین بھاگتے راستہ نہ ملتا تھا۔ چند ہی روز مین حضرت اشعری کے گرد طلبہ کا ایک بڑا بھاری ہجوم جمع ہو گیا۔ جو قرآن و حدیث کی حمایت مین اپنے اُستاد کی بتائی ہوئی دلیلین پیش کر کے ہر معتزلی کو خاموش کر دیتے۔ اور بڑے بڑے علماے معتزلہ کونون مین چھپتے پھرتے۔

مین یہ بھی بتا دینا چاہتا ہون کہ اصولی و اعتقادی مسائل مین امام ابو الحسن اشعری کا مسلک کیا ہے۔ اُنھون نے ہر مسئلہ مین ایک اوسط کا درمیانی طریقہ اختیار کیا۔ معتزلہ نے خداے تعالےٰ کو بالکل معطل بنا دیا تھا۔ کہتے کہ اُس وحدہ لاشریک مین نہ علم ہے۔ نہ سماعت ہے۔ نہ بصارت ہے۔ نہ اُسے حیات حاصل ہے۔ نہ بقا۔ اور نہ اُس مین ارادہ ہے۔ اُن کے بالکل ضد مجسمہ اور حشویہ کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا علم ہمارے علم کے مماثل ہے۔ اُس کی قدرت ہماری قدرت کی سی ہے۔ اور ہماری ہی طرح وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ امام ابو الحسن اشعری نے اُن دونون کے درمیان یہ مسلک اختیار کیا کہ اُس کو علم ہے مگر ہمارے علمون کا سا نہین۔ قدرت ہے مگر ہماری قدرت کے غیر مشابہ سنتا ہے مگر نہ ہماری طرح اور دیکھتا ہے نہ ہماری طرح۔

جہم بن صفوان نے کہا کہ بندہ دنیا کے واقعات اور اپنے

افعال پر قادر نہیں۔ اور کسب یعنی اُن کے اختیار کرنے پر قادر
ہے۔ حشویہ مشبہہ کہہ رہے تھے کہ خداوند تعالے اُسی طرح متکیف
ومحدود نظر آئے گا جس طرح تمام اجسام دکھائی دیا کرتے ہیں۔
اُس کے خلاف معتزلہ جہمیہ اور نجاریہ فرقے کہتے تھے کہ وہ جل شانہ
کہیں اور کسی حال میں نظر ہی نہیں آسکتا۔ امام اشعری نے یہ اوسط
کا اور معتدل طریقہ اختیار کیا کہ وہ رب العزت بغیر کسی چیز میں
حلول کیے اور بغیر حدود اور کیفیت کے دیکھا جائے گا جیسے یہ کہ
بغیر محدود و متکیف ہونے کے وہ دیکھتا ہے۔

نجاریہ نے دعوی کیا کہ باری تعالے بغیر کسی چیز میں حلول
کرنے کے اور بغیر جہت کے ہر جگہ موجود ہے۔ اُن کے برعکس حشویہ
مجسمہ کہنے لگے کہ وہ عرش میں حلول کیے ہوئے ہے۔ عرش اُس
کا مکان ہے جس پر وہ بیٹھا ہوا ہے۔ اِن دونوں کے درمیان
امام اشعری نے یہ راہ نکالی کہ وہ رب العزت اُس وقت بھی موجود
تھا جب یہ مکان یعنی عرش موجود نہ تھا۔ کیونکہ عرش و کرسی کو
اُس نے بعد پیدا کیا ہے۔ لہذا وہ مکان کا محتاج نہیں۔ مکان
کے پیدا ہونے کے بعد بھی اُس کی وہی شان ہے جو مکان کے
ہونے سے پیشتر تھی۔

معتزلہ کہہ رہے تھے کہ باری تعالے کا ہاتھ نہیں بلکہ
اُس سے قدرت و نعمت مراد ہے۔ چہرہ چہرہ نہیں اُس سے وجود

مُراد ہے۔ اُن کے مقابل مجسمہ کہتے تھے کہ اُس کا ہاتھ اور اُس کا چہرہ ہماری صورت ہی کی ایسی ایک جسمانی شکل ہے۔ امام اشعری نے یہ فیصلہ کیا کہ خدا کے لیے ہاتھ اور چہرہ ہونا بھی منجملہ اُس جل شانہٗ کے دیگر صفات کے ایک صفت ہے۔ جیسے کہ سُننا اور دیکھنا اُس کی صفتین ہین جن کو ہمارے ہاتھ اور چہرے اور ہماری سماعت وبصارت سے کوئی نسبت وشاہت نہین۔

خدا کا عرش پر کھڑا ہونا اور اُس سے اُترنا جو قرآن وحدیث مین وارد ہوا ہے اُس مین معتزلہ یہ کہتے کہ ان آیتون اور حدیثون مین اُس وحدہ لاشریک کی بعض آیتین اور نشانیان اور اُن کا نیچے اُترنا مراد ہے۔ اور استوا (کھڑے ہونے) سے مراد استیلا و غلبہ ہے۔ مشبہہ اس کے خلاف معتقد تھے کہ خود خداے تعالیٰ کی ذات کا حرکت کرکے اُترنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا۔ اور استوا سے عرش پر بادشاہون کی طرح جلوس کرنا۔ اور اُس مین حلول کرنا یعنی داخل ہونا مراد ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے دونون کے خیال کو لغو بتا کے فرمایا کہ نزول واستوا بھی اُس کی دوسری صفتون کی طرح وہ بے مثال صفتین ہین۔

معتزلہ بڑے شد ومد کے ساتھ دعوی کرتے تھے کہ خدا کا کلام مخلوق ہے جس کو اُس جل شانہ نے پیدا اور ایجاد کیا۔ مجسمہ نے اُن کے بالکل ضد پر یہ کہا کہ اُس کے کلام سے مراد حروف

مقطّعات ہین جن سے وہ کلام اجسام (کاغذ وغیرہ) پر تحریر [illegible]
(روشنائیون) مین ہاتھون کے ذریعے سے محسوس ہوتا ہے یعنی وہ کاغذ ہین
جن پر اور وہ رنگ ہین جن سے وہ لکھا جاتا ہے اور سارا قرآن
جو دو دفتیون کے بیچ مین ہے سب کا سب قدیم ازلی ہے۔ ابو الحسن
اشعری نے اس مین یہ درمیانی مذہب اختیار کیا کہ قرآن بلاشک
خدا کا کلام اور قدیم ہے نہ مخلوق ہے نہ بدلتا ہے۔ نہ حادث ہے نہ نیا
پیدا ہونیوالا۔ مگر حروف مقطّعات۔ اجسام۔ رنگ۔ آوازون۔ محدود
صورتون۔ اور کیفیتون کی قسم کی جتنی چیزین عالم مین اُس کے متعلق
ہین سب مخلوق ہین۔

ایمان کے بارے مین معتزلہ جہمیہ اور نجاریہ کا قول یہ
تھا کہ ایمان مخلوق ہے مطلقاً۔ حشویہ و مجسمہ کہتے تھے کہ وہ قدیم ہے
مطلقاً۔ امام اشعری نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ایمان دو ہین۔ ایک خدا
کا ایمان وہ قدیم ہے۔ اس لیے کہ وہ رب العزت خود اپنے آپ کو "مومن
و مہیمن" بتاتا ہے۔ دوسرا مخلوق کا ایمان ہے اور وہ مخلوق ہے۔

مُرجیہ اس پر جمے ہوے تھے کہ جو شخص ایک بار خلوص دل و
صدق عقیدت سے ایمان لے آیا پھر وہ نہ مُرتد ہونے سے کافر ہو سکتا ہے
اور نہ کفر اختیار کرنے سے۔ اُس کے کبیرہ گناہ لکھے ہی نہین جاتے۔ اُن
کے خلاف معتزلہ کا دعوی تھا کہ کوئی با ایمان شخص سو برس تک متقی
و پرہیزگار رہنے کے بعد بھی کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے تو ہمیشہ

... دوزخ مین مبتلا رہے گا۔ اور کبھی آتش دوزخ سے نہ نکل
سکیگا۔ اس مین امام ابو الحسن اشعری نے فرمایا جو مومن موحد فاسق
ہو اُس کا معاملہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے قصور معاف کرکے
اُسے جنت مین داخل کرے۔ اور چاہے اُس کے گناہون کی بنا پر کچھ دنون
عذاب دوزخ مین مبتلا رکھ کے پھر جنت مین جگہ دے۔ لیکن ایک کبیرہ
گناہ جو ایک محدود وقت مین ہو کے ختم ہو گیا اُس کی پاداش مین خلود
فی النار یعنی دوزخ مین ہمیشہ پڑا رہنا ہرگز نہین ہو سکتا۔

شیعہ کہتے تھے کہ پیغمبر صلعم اور حضرت علی ع کو بغیر خدا کے اذن (اجازت)
کے شفاعت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہان تک کہ اگر وہ کفار کی شفاعت
کرین تو بھی قبول ہوگی۔ اُن کے برعکس معتزلہ کہتے تھے کہ شفاعت کوئی
چیز ہی نہین۔ اس مین امام اشعری نے یہ درمیانی اور منصوص راستہ
نکالا کہ رسول خدا صلعم شفاعت کرین گے۔ اور وہ قبول بھی ہوگی۔
مگر وہ گنہگار مسلمانون تک محدود رہے گی۔ اور وہ خدا کے اذن
یعنی اُس کے حکم سے ہوگی۔

خوارج کہتے تھے کہ حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما دونون
معاذ اللہ کافر ہین۔ شیعہ اس کے مقابل حضرات شیخین کو (نقل کفر کفر نباشد)
کافر و مرتد بتاتے۔ حضرت امام اشعری نے اس مین یہ مسلک پیدا کیا
کہ چارون اصحاب کی محبت اور دوستی منصوص ہے۔ اور چارون
کو حسب ترتیب ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

معتزلہ کا اعتقاد تھا کہ امیر المومنین معاویہ طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ صدیقہ اور وہ تمام لوگ جنھون نے اِن سب کی پیروی کی غلطی پر تھے۔ جس کی وجہ سے کسی ادنے معاملے مین بھی اُن کی شہادت (گواہی) مقبول نہین ہو سکتی۔ اُن کے ساتھ شیعہ آل سب کو (عیاذاً باللہ) کفار مرتد کہہ رہے تھے۔ اس کے خلاف شیعیان عثمان یعنی بنی اُمیہ کہتے کہ اُن بزرگون کی جانب خطا اور غلطی کو کسی حال مین بھی منسوب نہین کر سکتے۔ بلکہ ساری غلطیان حضرت علی اور اُن کے رفیقون کی تھین۔ امام اشعری نے اس معاملے مین فرمایا یہ سب بزرگان اُمت مجتہد تھے۔ اور ہر مجتہد اپنے ہر فیصلہ پر مستوجب ثواب ہوتا ہے۔ سب حق پر تھے۔ اصولی مسائل مین اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ اختلافات صرف فروع مین تھے۔ جن مین ہر ایک کا اجتہاد جُدا گانہ تھا۔ مگر سب صحیح راستے پر رہے۔ اور انھین اپنے اُن اجتہادون کا ثواب ملے گا۔ ان مسائل مین اُنھون نے جو رائین قائم کین اُن مین کسی خواہش نفس یا بُرے ارادے کو دخل نہ تھا۔ اور اُنھون نے جو کچھ کیا دلیل و بُرہان سے کیا۔

یہ سچا متوسط و معتدل اصول کا مسلک تھا جس کو ابوالحسن اشعری نے قرآن و حدیث کے نصوص کے علاوہ عقلی اور منطقی دلیلون سے ثابت کیا۔ اور مباحثون اور مناظرون مین معتزلہ اور تمام مخالف فرقون کو ہر جگہ ایسا خاموش کیا کہ دنیا مین اُن کی کساد بازاری

ہو گئی۔

یہ نہین کہا جا سکتا کہ اپنے زمانے ہی مین اُنھون نے اعتزال کو بالکل مٹا دیا۔ یا سارے مبتدعہ فرقون کا زور توڑ دیا۔ معتزلی خلفاے بنی عباس اپنی سطوت اور جبر و ظلم سے اس مذہب کو اس قدر پھیلا گئے تھے کہ اُس کا ایک محدود زمانے مین اور ایک ہی شخص کی کوشش سے مٹ جانا غیر ممکن تھا۔ مگر یہی کیا کم تھا کہ علماے معتزلہ کو کسی جگہ سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ابو الحسن باہلی علماے شیعہ امامیہ مین ایسے بڑے پایے کے فاضل تھے۔ اُن سے ابو الحسن اشعری بحث ہوئی اور قائل و لاجواب ہو کر وہ اہل سُنت کے زمرے مین داخل ہو گئے۔ اور اُن کا شمار اہل سنّت کے اکابر ائمہ سلف مین ہے۔

امام اشعری اپنے اعتزال کے زمانے مین زبردست مناظر اور طلیق اللسان بحث کرنے والے تھے مُصنّف نہ تھے۔ مگر اُن کا پیرو حدیث و قرآن ہونا تصنیف اور مناظرے دونون سے شروع ہوا۔ چنانچہ اس کا اظہار و اعلان کرنے کے ساتھ ہی اپنی کئی کتابین پیش کر دین۔ اور اُس کے بعد تصنیف و تالیف مین مصروف ہوئے تو اُس زمانے مین اُن سے بڑا کوئی مصنف نہ تھا۔ نامور محدث اسلام ابن عساکر نے اپنے رسالہ "تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری"، مین اُن کی تقریباً نوے کتابون کی مفصل و مشرح فہرست خود امام ابو الحسن کے تصانیف سے نقل کر کے پیش کی ہے۔

جس سے نظر آتا ہے کہ کوئی بتدع فرقہ اور کوئی ملحدانہ عقیدہ نہین
جس کی تردید اُنھون نے شرح وبسط کے ساتھ نہ کی ہو۔ اور
تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جس کی نسبت ابتدائً کہا جاتا تھا
کہ بجز مناظرے کے تصنیف کر ہی نہین سکتا وہ پیروِ سُنّت ہوتے
ہی اتنا بڑا مستند اور عدیم النظیر مصنف کیسے بن گیا۔ اصل حقیقت یہ
ہے کہ یہ اُسی تائیدِ غیبی کی برکت تھی جس کا حضرت رسول خدا صلعم
نے خواب مین اُن سے وعدہ فرمایا تھا۔ لہذا اُن کتابون کو بجاے
اُن کے عالمانہ خیالات کے اگر الہام کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اُن کو معتزلہ سے اس قدر شدت نفرت تھی کہ ۳۲۴ھ یا
۳۳۰ھ مین (علی اختلاف الروایات) جب اُن کا انتقال ہوا
ہے تو احتضار کے وقت ایک شاگرد نے دیکھا کہ ہونٹ ہل رہے
ہین۔ کان لگا کے سُنا تو فرماتے تھے "خدا معتزلہ پر لعنت کرے
کہ جو کچھ اُن کے مُنہ مین آیا بک دیا۔ اور اُمت مین تفرقہ ڈال
دیا" پھر اُسی حالت مین زبان نے کچھ یاری دی تو اپنے شاگرد
ابو علی زاہر بن احمد سرخسی کو پاس بُلا کے فرمایا "گواہ رہنا
کہ مین اہل قبلہ مین سے کسی کی تکفیر نہین کرتا"

اگرچہ اپنی زندگی مین وہ معتزلہ کا پورا استیصال
نہین کر سکے۔ مگر اُن کے کلام کے مقابلے مین اپنی مویدمن اللہ
کوشش سے جو کتاب و سُنّت کا نیا کلام اُنھون نے ایجاد کر دیا تھا

اُس نے دو ہی تین صدیوں کے اندر معتزلہ کو نیًا منسیًا کر دیا۔
اور کبھی اہل سُنّت کے مقابلے مین نہین ٹھہر سکے۔ اُن کی وفات
کے بعد اِس نئے کلام کے حامی و مبلغ اور اشعریت کے نامور مرد میدان
اُستاذ اَبو اسحٰق اسفرائنی۔ قاضی اَبو بکر باقلانی۔ اور استاذ اَبو بکر بن فورک
اصفہانی ہوے۔ پھر امام الحرمین اَبو المعالی جُوینی۔ اور اَمام غزّالی میدان
مین آئے۔ اور سب کے بعد اَمام فخر الدین رازی نے امام اَبو الحسن اشعری
کے اِس دینی علم کلام کو انتہائی کمال پر پہونچا کے الحاد و اعتزال کا ایسا
خاتمہ کر دیا کہ دنیا مین اُن کا کوئی نام لیوا بھی نہ باقی رہا۔

اِن متکلمین حدیث و قرآن نے جس طرح زحمتین اُٹھا کے اور
زبردست قوتون سے لڑ لڑ کے حریفون پر فتح پائی اُس کا اندازہ
اِس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ جو امام اَبو الحسن اشعری کی وفات
کے تھوڑے ہی زمانے بعد پیش آیا تھا۔

جن دنون دنیاے اسلام مین دیلمیون کی سطوت قائم
تھی۔ اور وہ مذہب شیعہ و اعتزال کے پشت و پناہ بنے ہوئے تھے
اُنھین مین کا ایک فرمان روا جس کا نام فنا خسرو تھا فارس پر
مسلط تھا۔ اور شیراز اُس کا مستقر حکومت تھا۔ وہ بڑا علم دوست اور
حامی اسلام بادشاہ تھا۔ مگر اعتقاداً معتزلی تھا۔ اور دربار مین
بڑے بڑے نامی گرامی علماے معتزلہ جمع تھے۔ فنا خسرو کے عالمانہ
مذاق نے دربار شاہی اور ایوان شہریاری کو ایک علمی اکیڈیمی

بنا رکھا تھا۔ روز علما مین بحثین ہوتین۔ تحقیق مسائلِ عقل و نقل کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور صدر نشینِ محفل ملک کے قاضی القضاۃ ہوتے جو بڑے متشدد معتزلی تھے۔ اور اُن کا جوش اہل سُنت کی تردید مین سب عالمون سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

ایک دِن فناخسرو نے کہا "ہماری یہ محفل یون تو بڑے بڑے علما سے بھری ہوئی ہے مگر افسوس کہ اہل سُنت کا کوئی عالِم موجود نہین۔ جو ہر مسئلے پر اپنے مسلک کی رُو سے استدلال کرے۔ اور ہم دیکھین کہ وہ لوگ کس عنوان سے بحث کرتے ہین" قاضی القضات صاحب نے کہا "اُن جاہلون کو بُلا کے کیا کیجیے گا؟ اُن کا شمار تو عوام کالانعام مین ہے۔ عقل سے اُنھین کوئی سروکار نہین قرآن و حدیث کے متعلق متخالف و متضاد روایتین نقل کرتے ہین۔ سُنی سُنائی باتون پر دار و مدار ہے۔ اور تقلید بحت سے کام۔ ایسے لوگون کی لغو باتون کے سُننے سے فائدہ؟ اُن مین سے ہر ایک فاسق ہے۔ اور اِس کے درپے ہے کہ شمع معرفت کو گل کر دے۔ مگر وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْن۔ علاوہ برین میرے نزدیک اُن مین سے کوئی اِس قابِل بھی نہین کہ نظام حکمرانی مین کسی تاجدار کا مشیر و معاون ہو سکے" یہ کہہ کے اُنھون نے معتزلہ عالمون کی ثنا و صفت شروع کر دی۔

قاضی صاحب کی یہ تقریر سُن کر بادشاہ نے کہا "آپ کے

نزدیک تو وہ لوگ بالکل لغو اور بیہودہ ہین۔ گر میرے خیال مین دنیا کے اندر کوئی طریقہ اور مذہب ایسا نہین ہے جس کے حامی و مددگار نہ موجود ہون" یہ کہہ کر اُس نے ارکان دولت کے نام حکم جاری کر دیا کہ "دیکھو ہماری قلمرو مین کوئی اہلسنت و اہل حدیث کا ایسا عالم موجود ہے جو اپنے مذہب کی حمایت مین بحث و مناظرہ کر سکے؟ اور میری علمی محفل مین آکر اپنے اصول کی تائید مین تقریر کرے؟" دو ہی چار روز کے بعد لوگون نے عرض کیا "بصرے مین اس صفت کے دو عالم موجود ہین ایک معمر و سن رسیدہ ہین اور دوسرے جوان۔ پہلے کا نام ابوالحسن باہلی ہے (یہ حضرت ابوالحسن اشعری کے خاص شاگرد تھے اور وہی ہین جو حضرت اشعری سے قائل ہو کر شیعہ سے سُنّی ہو گئے تھے) اور دوسرے کا نام ابن باقلانی ہے۔ (یہ وہ ہین جنھون نے خصوصیت کے ساتھ امام اشعری کے کلام کو دنیا مین پھیلایا۔) سُنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا کہ "دونون کی خدمت مین سفر خرچ کے لیے کافی رقم بھیج کر اُنھین یہان آنے کی زحمت دی جائے۔"

خود قاضی ابو بکر باقلانی فرماتے ہین کہ اس بادشاہ کا خط اور سفر خرچ ہمارے یہان آیا تو ہم لوگون مین مشورہ ہونے لگا کہ فنا خسرو کے دربار مین جائین یا نہ جائین۔ شیخ ابوالحسن باہلی نے فرمایا "یہ فاسق لوگ ہین۔ اُن کی صحبت مین ہمارا جانا مناسب نہین ہے۔ ہمین اُن کے فرش پر بھی قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اِس بادشاہ کی ہمارے بلانے مین بجز اِس کے کوئی غرض نہین ہے کہ دنیا مین مشہور ہو کہ اُس کے

دربار مین ہر قسم اور ہر علم کے علما جمع ہین۔ اُس کا یہ طلب کرنا اگر میرے خیال مین خلوص نیت کی بنا پر ہوتا تو مین ضرور جاتا۔ لہذا مین تو ہرگز نہ جاؤن گا۔" اور لوگون نے بھی اُنھین کی راے سے اتفاق کیا۔

مگر قاضی ابو بکر باقلانی فرماتے ہین مین نے اُن کی تقریر سُن کر کہا۔ "ابن کلاب اور محاسبی وغیرہ اہل سُنت کے اگلے متکلمین نے بھی یہی کہا تھا کہ مامون کی صحبت مین ہم مین سے کوئی نہ جائے۔ اگر وہ چلے جاتے تو ممکن تھا کہ مامون مین اتنی سختی نہ پیدا ہوتی۔ اور یہ انجام نہ ہوتا کہ لوگ امام احمد حنبل کو کشان کشان طرسوس کیطرف لے گئے۔ اتفاق سے مامون مرگیا اور وہ معتصم کے سامنے پیش کیے گئے جس نے اُن کو قرآن کے مخلوق کہنے پر مجبور کیا۔ اور انکار کرنے پر اُنھین کوڑون سے پٹوایا۔ اُس وقت کے متکلمین اگر اُس کے دربار مین چلے جاتے تو امید تھی کہ بحث مین وہی غالب آتے۔ اُن کے نہ جانے ہی سے مامون کے دل مین جم گئی کہ اہل سنت کے پاس اپنے دعوون کی کوئی دلیل نہین ہے۔ یہ لوگ اگر معتصم کے سامنے بھی جاکے اپنے عقائد ومذہب کے دلائل واسباب پیش کرتے تو میرا خیال ہے کہ وہ بھی راہ راست پر آجاتا۔ اور اُمت پر یہ تباہی نہ آتی۔ مگر اُنھون نے حکومت کے آگے سر جھکا دیا۔ اور ابن حنبل پر جو گزرنا تھی گزر گئی۔ اسی طرح اے اُستاد آپ بھی اگر آج اس بادشاہ کی صحبت علم مین جانے سے انکار کرین گے تو انجام یہ ہوگا کہ جو مصیبت کل احمد بن حنبل پر گزری تھی آج ہم پر گزرے گی۔ اور یہ لوگ بڑے زور وشور سے اور نہایت

طمطراق کے ساتھ دعوی کرین گے کہ قرآن مخلوق اور رویت باریتعالے محال ہے۔ بہرحال اگر آپ نہ تشریف سلے گئے تو اکیلا مین اُس کے دربار مین جاؤن گا۔ اور دیکھون گا کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے "

یہ کہتے ہی اُنھون نے سفر کی تیاریان کر دین۔ اور شاہی قاصد کے ہمراہ براہ دریا بصرے سے روانہ ہو کر ساحل فارس پر اُترے۔ اور وہان سے خشکی کا سفر کر کے نہر قرکن آباد کے کنارے اُس خطہ مین پہونچ گئے۔ جو زمانہ مابعد مین بڑے بڑے نامی گرامی علما اور سعدی و حافظ کا وطن ہونے والا تھا۔ بادشاہ فنا خسرو نے قدر و منزلت کی۔ ہاتھون ہاتھ لیا اور اپنا مہمان بنایا۔ آخر اس علمی دربار مین اُن کے اور معتزلہ کے درمیان مناظرہ چھڑ گیا۔ معتزلہ کو اگرچہ بڑے بڑے دعوے تھے اور اپنے مقابل اہل سُنت و حدیث کو جاہل بتاتے تھے۔ مگر قاضی ابو بکر باقلانی نے ہر مختلف فیہ مسئلہ مین ایسے دلائل و براہین پیش کیے کہ سب کو ساکت و لاجواب ہو جانا پڑا۔ دو ہی چار روز کی بحث مین یہ نوبت ہو گئی کہ علماے معتزلہ اُن کی صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور کسی کو مقابلہ کرنے کی جراءت نہ ہوتی۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ فنا خسرو اپنے اعتزال سے توبہ کر کے اُن کا تابع ہو گیا۔ اور اپنے بیٹون کو اُن کے سپرد کیا کہ انھین مذہب اہل سُنت کی تعلیم دین۔ اس واقعے کی وجہ سے پرانے معتزلی قاضی القضاۃ کا نام مٹ گیا۔ اور قاضی ابو بکر باقلانی کی سارے ایران

مین ایسی شہرت ہوئی کہ پبلک کے عام دربار سے اُن کو "سیف السنہ ولسان الامۃ" (شمشیر سُنّت وزبان اُمّت) کا خطاب عطا ہوگیا۔

الغرض اعتزال کے استیصال کا باعث دراصل متوکل علی اللہ ہوا اور نہ کوئی اور خلیفہ بلکہ اِس کے صحیح بانی حضرت امام ابو الحسن اشعری اور اُن کے شاگردون اور پیرودن کا گروہ علماے اشاعرہ تھا امام الحرمین ابو المعالی جُوینی کے زمانے مین ایک متعصب شیعہ وزیر کے ظلم سے جو اصول معتزلہ کا حامی و موید تھا علماے اہل سُنّت پر پھر تباہی آئی تھی چنانچہ امام الحرمین اور اُن کے ساتھ صدہا علماے اہل سنّت کو بھاگ ایران سے بھاگ کے ارض حجاز مین پناہ لینا پڑی تھی۔ مگر چند ہی سال بعد وہ مظالم دُور ہوے تو اُن بزرگان اُمت نے پھر اپنے وطن کی صورت دیکھی اور امام الحرمین کا پہلے سے زیادہ دور دورہ تھا۔ اُن کے بعد اُن کے شاگرد امام غزالی اور بعد ازان امام فخر الدین رازی نے اپنی عدیم المثال علمی کوششون سے اعتزال کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینک دیا۔ اور یہ حالت ہوگئی کہ دُنیا مین کہین معتزلہ کا نام و نشان بھی نہ تھا بجز اس کے کہ کبھی کبھی معتزلی الخیال علما و مصنفین البتہ نظر آجایا کیے۔

اعتزال نے شیعیت کے دامن مین پناہ لی تو علماے شیعہ کی کوشش سے البتہ اُن کے اصولی مباحث فنا ہونے سے بچ گئے۔ اور جب ایران مین دولت صفویہ قائم ہوئی تو شیعیت کے طفیل مین اعتزال کے متعدد عقائد نے پھر قوت حاصل کرلی۔ مگر وہ پُرانا فرقہ معتزلہ آج تک

دنیا مین کہین نہین نظر آیا۔

مگر اِس آخر عہد مین اعتزال نے ایک نئے عنوان سے دنیا کو اپنی صورت دکھائی ہے۔ جس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان مین اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد جب انگریزون کا دور شروع ہوا تو مذاہب کے عالم مین ایک نیا اور بہت بڑا کون وفساد شروع ہوگیا۔ انگریز کہنے کو نصرانی ہین۔ مگر اُن کی نصرانیت وہ پُرانی نصرانیت نہین جو قرون وسطی مین اسلام سے لڑ رہی تھی! ور جس نے مدتون حروب صلیبیہ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ یورپ کی موجودہ مسیحیت نے جدید سائنس سے متاثر ہوکر وہان کی علمی دنیا مین ایک قسم کے الحاد اور بے دینی کی شان پیدا کرلی ہے۔ اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ انگریزون کے جھنڈے کے نیچے نیچے مشنری بھی آئے۔ اور مذہب عیسوی کی تبلیغ کرنے لگے۔ مگر مسلمانون کو اُن سے لڑنا اور مناظرہ کرنا چندان دشوار نہ تھا چنانچہ اکثر مناظرون مین وہ اُن پر غالب آجایا کرتے ہین۔ مگر ملحدانہ دہریت جو مسیحیت کے لباس مین چھپی ہوئی ہے اُس کا مقابلہ کرنا جس طرح ہر مذہب کے لیے دشوار ہے مسلمانون کے لیے بھی آسان نہین۔ یورپ مین اِس الحاد نے مسیحیت کو شکست دے کر اپنا مطیع ومنقاد بنا لیا۔ اور اب دُنیا کے تمام دیگر مذاہب کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔ اسلام جو اپنے گذشتہ علمی دَور مین خود اپنے مذہبی دنگل کے اندر معتزلہ واشاعرہ کی کشتیان دیکھ کر ایک با اصول علمی وعقلی مذہب بن چکا تھا۔ اس مسیحیت نما دہریت

سے بھی لڑنے کو تیار ہو گیا۔ مگر یہ نہایت دشوار کام تھا۔ اس لیے کہ فلسفۂ یونان جس پر پُرانے اعتزال کی عمارت قائم کی گئی تھی وہ خود ہی مسترد اور تقویم پارینہ ہو چکا تھا۔ اور موجودہ سائنس سے لڑنا ایک بالکل نئے اکھاڑے مین قدم رکھنا تھا۔ اِس دشواری کو سر سید مرحوم نے محسوس کیا۔ وہ علماً پُرانے عربی اسکول کے تعلیم یافتہ۔ مذہباً اہل حدیث کے مسلک کے پیرو حیثیتہً گورنمنٹ آف انڈیا کے اعلیٰ عہدہ دار۔ اور معاشرۃً انگریزون کے صحبت یافتہ تھے۔ اِس کے ساتھ انگریزون کی ترقیون اور کامیابیون سے مرعوب ہو چلے تھے۔ اصول اسلام اور سائنس کے موجودہ مسائل پر اُنھون نے غور کرنا شروع کیا۔ فقہ حدیث اور مروجہ علم کلام کو ان مباحث مین خاموش پایا۔ آخر اُنھون نے معتزلہ کے قدیم اصول کا مطالعہ شروع کیا۔ بعد ازان امام ابو الحسن اشعری کے محدثانہ علم کلام کو بھی غور سے پڑھا۔ اور اپنے خیال مین مذہب کا ایک نیا خاکہ قائم کیا جس مین نہ پورا اعتزال تھا نہ پوری محدثیت اعتزال کا یہ اصول اختیار کر کے کہ عقل شرع پر حاکم و قاضی ہے آزادانہ بحث کی گنجائش نکالی بعد ازان محدثین کے اس متفقہ اصول سے فائدہ اٹھانا چاہا کہ صحیح حدیثیں دو قسم کی ہوتی ہین متواتر اور خبر آحاد متواتر وہ روایتین ہین جن مین ہر راوی کے طبقہ مین اُس کے ساتھ اتنے راوی روایت کرتے ہوا کہ اُنون کی غلط بیانی کو عقل محال جانے متواتر

حدیثوں کو محدثین یقینی الثبوت تسلیم کرتے اور ثبوتاً قرآن کے درجہ پر رکھتے ہین. مگر ایسی حدیثین اگر وہ ایک بعض کے نزدیک ہین بھی تو دوسرون کے نزدیک متواتر نہین ہین. وہین احادیث خبر آحاد انھین پر فقہ اور شریعت کا دار و مدار ہے۔ اور انھین الحدیث ظنی الثبوت کہتے ہین یعنی گمان غالب ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا کہا یا کیا صحاح ستہ اور تمام مسند (مجموعہ ہاے احادیث) اسی پچھلی قسم کی حدیثون یعنی خبر آحاد سے بھرے ہوے ہین. انھین سے مسائل شرع کا استخراج ہوتا ہے اور انھین پر فقہ و حدیث کی ساری عمارت قائم ہے. اسی اصول حدیث سے فائدہ اٹھا کر سرسید نے دعوی کیا کہ خبر آحاد جب ظنی الثبوت ہین تو ان کی بنا پر کسی بات کا فرض یا واجب ہونا نہین ثابت کیا جا سکتا۔ اس طریقے سے سرسید نے حدیث و فقہ مین بھی رد و قدح اور بہ آزادی بحث کرنے کا دائرہ وسیع کر لیا۔ غالباً ان کا خیال یہ بھی تھا کہ عقلی براہین و ادلہ کے مقابلے مین ظنی الثبوت احادیث پر عمل کرنا ضروری نہین ہے۔ اور ان کے خیال مین عقلی براہین و ادلہ وہ تھے جو جدید علوم اور سائنس کی رو سے ثابت ہون نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح اس زمانے کا الحاد اگلے عہد کے الحاد سے بدتر تھا ویسے ہی اس زمانے کا ایجاد شدہ اعتزال بھی اگلے اعتزال سے بدتر نظر آنے لگا۔ اگلے معتزلہ کو اگرچہ خوارق عادات معجزات و کرامات کے وجود سے انکار تھا. مگر وہ ان آیات قرآنی کو جن مین اس قسم کی باتین مذکور ہین متشابہ کہتے۔ یا ان مین تاویل کرتے۔ سرسید نے اپنے اس کلام مین دور از وہم و گمان باتین بنائین. اور ان آیات کو سائنس کے مطابق بنانے کی کوشش مین ایسے عجیب معنی بیان کیے جو قابل مضحکہ معلوم ہوتے ہین۔

سرسید اسی کوشش مین مصروف اور اپنے جدید علم کلام کو مدون کر رہے تھے کہ اُنھین مولانا شبلی کا ایسا قابل اور وسیع النظر عالم مل گیا۔ مولانا شبلی پُرانے مدرسۂ عربیت کے تعلیم یافتہ اور سرسید کے خلاف متشدد حنفی تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے جوش محبت مین اپنے آپ کو "نعمانی" کہلاتے تھے اور حنفیت مین اُن کا رُتبہ معمولی حنفیون کے درجے سے بڑھا ہوا ہو۔ اسی کوشش مین اُنھون نے مولانا محمد عبد الحی مرحوم کی بعض مختلف فیہ مسائل مین تردید کی۔ اور وہابیون کے مقابلے مین بدعیون کے وکیل بن رہے تھے کہ سرسید کی صحبت مین پہونچے۔ اس صحبت نے اُن کو اس مناظرے کے میدان سے ہٹا کر پہلے تو تاریخی تصانیف کی طرف مصروف کیا۔ اور بعد ازان رفتہ رفتہ اُنھی سید احمد خانی کلام کے جنگل مین لا کھڑا کیا چنانچہ انھون نے علم کلام کی تاریخ لکھی حضرت فاروق اعظم حضرت امام اعظم امام غزالی اور مولانائے روم کی سیرتین تصنیف کین۔ اور آخر مین سیرۃ النبی کی تصنیف مین مصروف ہو گئے۔ اِن کتابون مین سے اکثر مین محدثین کی طرف سے بدظنی قیاسی اجتہاد کی جنبہ داری۔ اور اکابر معتزلہ کی مدح سرائی ایسی باتین ہین جو صراحۃً اعتزال کی جھلک دکھا رہی ہین۔ اور ایسے ہی بعض اور تصانیف لکھے۔ اسی سلسلے مین اُن کی حنفیت کی محبت اس جانب مائل ہوئی کہ خود اصول وعقائد حنفیہ کو اعتزال کے قریب یا اعتزال ثابت کر دین۔

اس کو مین مانتا ہون کہ حنفیہ ابو الحسن اشعری کے اصول و عقائد دینی کو پورا پورا نہین مانتے۔ اور نہ اپنے آپ کو امام اشعری کا پیرو

ظاہر کرتے ہین۔ وہ بجاے اشعری کے اپنے تئین اصولاً ماتریدی کہتے اور امام ابو المنصور ماتریدی کا پیرو بتاتے ہین۔ لیکن ماتریدیت کو اعتزال یا اعتزال کے قریب بتانا ایسی سخت غلطی ہے جس کو ابتدا سے انتہا تک کا کوئی حنفی عالم قبول نہ کرے گا۔ علامۂ عبدالوہاب شعرانی نے امام ماتریدی اور امام اشعری کو بجز دس باتون کے تمام مسئلون مین متحد و متفق بتایا ہے۔ اور اُن اختلافی مسائل کی نسبت بھی کہا ہے کہ اصولی نہین فروعی مسائل ہین۔ ماسوا اس کی خود حضرت امام ابو المنصور ماتریدی اپنی شرح فقہ اکبر مین اول سے آخر تک معتزلہ کی تردید کرتے۔ اُن کو سخت و سست الفاظ مین یاد فرماتے جابجا احمق بتاتے ہین۔ اور بجز دو ایک جگہ کے تمام اعتقادی مسائل مین امام اشعری کے ہم خیال و ہمزبان ہین۔ مگر قیامت یہ ہے کہ آج کل کی انگریزی تعلیم اور سائنس کے اثر نے انگریزی دان طبقے کی عام حالت یہ کر دی ہے کہ وہ مقلدین کے رہنا نہین چاہتے۔ بلکہ ہر امر مین چاہے علوم دینیہ سے واقف ہون یا نہ ہون مجتہدین جاتے ہین۔ وہ اپنے اُس بے ڈھنگے جاہلانہ اجتہاد مین اکثر معتزلیت کے قریب پہونچ جاتے ہین۔ اور نہین جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہین۔ چنانچہ انگریزی دان طلبہ کا طبقہ بغیر اس کے جانے کہ اعتزال کیا چیز ہے اضطراراً معتزلی بنتا چلا جاتا ہے۔

اسی قسم کے ایک بزرگ نے جنھون نے انگریزی کے سوا عربی کا کوئی عقلی یا نقلی فن نہین حاصل کیا صرف گذشتہ لڑائی کی برکت سے چند روز عربون مین رہ کر عربی بولنے لگے ہین! ارادہ فرمایا کہ سارے علم حدیث کو متھ کے ایک نیا مکھن نکال لین مشورے کے لیے میرے پاس آئے اور فرمایا کہ مین نے تمام صحاح و مسانید مین سے اُن حدیثون کو الگ

کرنا شروع کر دیا ہے جن کے راوی دو یا دو سے زیادہ صحابی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ میرے نزدیک جس حدیث کی روایت صرف ایک صحابی سے ہو حجت نہیں ہے۔ یہ بات جب صحابہ نے جناب سے اس بدگمانی کی وجہ پوچھی تو بعض صحابہ پر اعتراض کرنے لگے آخر میں نے اُنھیں مشورہ دیا کہ اگر اس کام کو آپ کرنا چاہتے ہیں تو مہربانی کر کے اپنی زندگی کے کم از کم دس سال حدیث و فقہ کی تعلیم میں صرف کیجیے اور اس کے بعد اس کار خیر کی طرف توجہ فرمائیے جب تک آپ حدیث و فقہ کے اصول۔ اور اُن علوم کے اہم مباحث سے واقف نہ ہو جائیں ایسا کرنے میں آپ کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ اور میں اُن کا شکر گزار ہوں کہ اس کام کے لیے تیار ہونے کی دشواریوں کے خیال سے اُنھوں نے ہمت ہار دی اور اپنی اُس مجتہدانہ تصنیف سے قدم روک لیا جس کے جوش میں وہ سنن اربعہ میں سے دو ایک کی مرمت کر بھی چکے تھے۔

الغرض سب سے زیادہ خطرناک ہمارے ہیان کا یہ خود رو اعتزال ہے۔ علماے ملت بیضا کا سب سے اہم اور ضروری کام یہ ہے کہ اس اعتزال کو روکیں۔ اور پتہ لگائیں کہ انگریزی کالجوں کے طلبہ کیا سے کیا ہوتے جاتے ہیں۔ اور کہاں پہونچے جاتے ہیں۔